

فریہ اشتیاق



تائبندہ کسی پر ایکسپریس کی رفتار سے کمرے
میں داخل ہوئی مگر ان میں سے کسی نے بھی نوکس
نہیں لیا۔ وہ سب کچھ اس قدر شغف سے اپنی اپنی
مصروفیات میں مبتلا تھے جیسے دنیا میں اس سے زیادہ اہم
کوئی کام ہی نہ ہو۔

اس نے باری باری تمام لوگوں کا جائزہ لیا۔
شیراز صوفے پر نیم دراز آٹکھیں بند کیے ایک تسلسل
سے ٹانگوں کو حرکت دے رہے تھے۔
سجاد قالیں پر درازوں پر صوفے پر ٹکائے۔ اپنے سینے
پر طبلہ بجا رہے تھے۔



تلاوٹ

آویزاں پینٹنگ پر غور و فکر میں مشغول تھے۔
غرض سب ہی بے طرح کسی نہ کسی مصوفیت میں
م گرفتار تھے۔ اس کی نظر میں پھسلتی ہوئی دروازے کے
باہر والی کرسی پر ٹھنک گئیں۔
وہ یقیناً ”کوئی نیا چہرہ تھا اور کچھ بریشان سا نظر آرہا تھا۔
تانبہ کی آنکھوں میں ایک لمحے کو حیرت جاگی“ اور پھر وہ
بھی کرسی پر ڈھیر ہو گئی۔

”تو واقعہ کچھ یوں ہے کہ ہماریوں بھائی نے زہنت
رضیع الدین کو پروپوز کر دیا اور عنقریب دونوں کی شادی
ہونے والی ہے۔“ اس نے یہ انتہائی دھماکہ خیز خبر اپنے
اسی برسکون اور بے ضرر کچے میں بڑی آہستگی سے
سنائی لیکن وہ سب یوں اچھلے مانو جیسے کمرے میں بم پھٹا

رخشدہ ماچس اور سگریٹ کے خالی پیکٹوں کی مدد سے
مکان تعمیر کرنے کی بے سود کوششوں میں مصروف
تھی۔

رضوانہ ایٹش رے میں سگریٹ کے ٹوٹے (ٹکڑے)
سلیقے اور ترتیب سے جمادی تھی۔

انتظار اخبار کے تین رول بنا کر خیر پاس تعمیر کرنے کی
جدوجہد میں مصروف تھے۔

نوری مسلسل اس پردے کو پکڑنے کی تھک دوا میں تھی
جو اڑاڑ کر اندر کی سمت آرہا تھا۔

شاہد صوفی کے ہتھ پر پانوں کی کوئی معرکہ الاراقم
کی دھن تخلیق کر رہے تھے۔

شٹو میگزین کے بیک کور پر عارف کا اسکیمچ بناری
تھی اور عارف علامہ اقبال کا یوزنائے سامنے دیوار پر



ہو۔
”انا للہ وانا الیہ راجعون۔“ افتخار نے بے حد
خلوص سے کہا۔

احتمول کی کی نہیں غالب
ایک ڈھونڈو ہزار ملتے ہیں!

شاید بڑے ترنم سے گنگنائے۔
”اے خاندان بھر کی تمام بیویئیں کو چھوڑ کر اسے
وہی پھیل چھری تھی پروپوز کرنے کو۔“ رضوانہ کو تاسف
ہوا۔

”مائیوس ہو کر کچھ لوگ خودکشی بھی کر لیا کرتے ہیں
سو یہ بھی خودکشی ہے ایک طرح کی ہائے ہمایوں بھائی
مرحوم۔“ نوری نے مگرمی سر آؤ کے ساتھ رضوانہ کا
ساتھ دیا۔

”خدا نے ہمایوں بھائی کو بنا کر وہ سانچہ ہی توڑ دیا تھا
۔“ شیراز نے انکشاف کیا۔

”دیکھو انہیں جو دیدہ و عبرت نگاہ ہو۔“ یہ شفو
تھی۔

”پس ثابت ہوا کہ سارے مرد کم عقل بلکہ ناقص
العقل ہوتے ہیں۔“ رخشندہ ہمیشہ گفتگو کا محاصل
بیان کیا کرتی تھی۔ وہ سب اپنی اپنی بولیاں بولنے میں
مگن تھے اور تابندہ اسی لاپرواہی اور بے نیازی سے
اس پریشان صورت کا جائزہ اور لطف لینے میں
مصروف تھی۔ جو کچھ نہ سمجھتے ہوئے اب مزید حیرانی
کے سمندر میں بھی غوطہ زن نظر آنے لگا تھا۔
”مگر تمہیں علم کیسے ہوا۔“ سجاد کو سب سے پہلے
ہوش آیا۔

”خط آیا ہے۔“ اس نے مزے میں اطلاع دی۔
”کس کا۔“ اس نے سب کے منہ سے بیک وقت نکلا۔
”مرحند کا۔“ وہ شرارت سے مسکرائی۔

”لا حول ولا قوۃ میں سمجھا تھا شاید مجنوں ہی کو پھر
وحشت ہوئی۔“ سجاد دوبارہ لیٹ گئے۔

*-**

”کیا معیبت ہے یار! کوئی تک ہے۔ مسعود کی
طبیعت خراب ہے فرخ آیا نہیں، نجم کا موڈ بگڑا ہوا
ہے وجاہت کو جانا نہیں ہے نسیم کا پروگرام نہیں

تھا۔ جب یہ سب کرنا تھا تو پروگرام کیوں سیٹ کیا
تھا۔“ ساجد نے تمام ٹکٹ میز پر بیٹھ گئے۔
وجاہت نے تصویر پر برش چلاتے چلاتے اک لمحے کو
اس کی طرف دیکھا اور پھر رنگوں کی طرف متوجہ
ہو گیا۔

”تم اور آصف چلے جاؤ، موڈ کیوں خراب کرتے ہو
۔“ مسعود نے لحاف اور اچھی طرح اپنے گرد لپیٹتے
ہوئے مشورہ دیا۔ ساجد نے قہر آلود نظروں سے اسے
گھورا۔

”سنو یار! یہ اپنا بیچلرڈ ہوم اب بالکل خطرے میں
ہے۔“ فرخ نے اندر آتے ہوئے خامسے خوف ناک
انداز میں انکشاف کیا۔

”کیوں؟“ نجم نے حیکمی نظروں سے دیکھا۔
”یہ جو اپنا وجاہت ہے۔ کل میں نے اس کی ایک
چوری چکڑی ہے۔“ فرخ کے معنی خیز قسم کے راز
دارانہ لہجے نے سب کو چونکا دیا۔

”کیا۔؟ کیسی چوری؟“ گروڈھیر ساری آوازوں
سے گونج گیا۔

وجاہت کا ہاتھ بھی رک گیا تھا۔ مسعود لحاف پھینک
پھاٹک کراٹھ بیٹھا نجم اپنا موڈ ووڈ سب بھول کر پوری
طرح متوجہ ہو گیا، ساجد کی تیز نظریں فرخ کے چہرے
پر سرکئی۔

اس کی خاموشی سب ہی کو کھل رہی تھی۔
”کیا چوری چکڑی ہے؟“ نسیم نے شانہ ہلایا۔

”کل میں نے اسے ‘پرنس’ میں دیکھا تھا اور اس
کے ساتھ بہت سارے دلکش چہرے بھی تھے۔“ اس
نے انکشاف کیا، وجاہت کا رکا ہوا ہاتھ پھر چلنے لگا۔
”کیا مطلب؟“ آصف نے ہونٹ پن سے

پوچھا۔
”مطلب یہ کہ یہ ہم سے چھپ کر کچھ حسین
صورتوں کے ساتھ پکچر دیکھ رہے تھے۔“ فرخ کی
وضاحت پر وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اس کے گرد آجھ

ہوئے۔
وجاہت چپ چاپ اپنا کام کرتے رہے۔
”وہ میرے گزنز تھے۔“ بالا خزان کی چیاؤں

چپاؤں سے تنگ آکر برش رکھتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

”تھے یا تمہیں؟“ سعد نے بھنوس چڑھائیں۔
”تھے بھی اور تمہیں بھی۔“ اس نے اطمینان سے جواب دیا۔

”مگر میں نے صرف تمہیں کو دیکھا تھا۔“ فرخ کچھ پریشان سا ہو گیا۔

”یہ تمہاری آنکھوں کا تصور ہے۔“ وجاہت دلاش روم کی سمت برہم گئے۔

جب واپس آئے تو وہ سب متفقہ طور پر فیصلہ کر چکے تھے کہ وجاہت خطرناک حد تک ہاتھ سے نکل چکے ہیں۔

”تجربہ کار! میری آنکھیں اتنی بھی خراب نہیں ہیں کہ لڑکی اور لڑکے میں بالکل ہی تمیز نہ کر سکوں حالانکہ آج کل یہ خاصا مشکل کام ہے بہر حال میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ یہ اکیلا تھا اور وہ چھ سات صرف لڑکیاں تھیں۔“ فرخ نے شاکی لہجے میں خاصی بے بسی سے احتجاج کیا۔
وجاہت کو ہنسی آگئی۔

”یار! یہ بے ایمانی ہے۔ سچی بات بتاؤ۔“ نجم بگڑا۔
”واقعی وہ میرے کزن تھے اور بس۔“
”پھر وہی تھے؟ اگر تھے تو مجھے کیوں نظر نہیں آئے؟“ فرخ دھاڑا۔

”بھائی! اور تمام لوگ اندر جا چکے تھے اور میں لڑکیوں کے ساتھ پیچھے رہ گیا تھا۔“ انہوں نے اپنا مصوری کا سامان سمیٹتے ہوئے آرام سے بتایا۔
”ہاں یہ ہوئی ناں بات، بہر حال وہ لڑکیاں تمہیں مسعود نے سکھ کا سانس لیا۔“

”یار وجاہت! کیا واقعی وہ سب تیری کزنز تھیں؟“ فرخ کے لہجے میں کچھ رشک سا اتر آیا۔
”نہیں کیا مطلب؟ ہیں بھی۔“

”اور تو وہ اندر سنبھا، چھوڑ کر یہاں اس سڑے بے پیکلڈ ہوم میں پڑا ہوا ہے۔“

”تو؟“ اس میں حیرانی کی کون سی بات ہے؟
”کمال ہے یار! یا تو تیرے اندر حس لطیف ہی

نہیں ہے یا پھر تو۔“ اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

”کیا وہ سب بہت خوبصورت ہیں؟“ ساجد کے لہجے میں خاصا تجسس تھا۔

”خوبصورت؟ ایک سے ایک زبردست بیوٹی، اتنی وافر مقدار میں حسن اور وہ بھی کسی ایک ہی خاندان میں ذرا کم ہی نظر آتا ہے۔“ فرخ نے پر زور طریقے سے یقین دلایا۔

”یہ وجاہت کیا کم ہے؟ اس کی کزنز ہیں تو سوچ لو۔ کیسی ہوں گی۔“ نسیم نے رائے قائم کی۔ وجاہت کا چہرہ یک لخت سرخ پڑ گیا۔

”نومور کمٹس۔“ جتنکے سے سدھے ہوتے ہوئے ان کے ناخوش گوار لہجے میں سختی بھی تھی۔ وہ سب ایک دم جب ہو گئے۔

”سوری یار، اگر تم نے مائنڈ کیا ہے تو یہ تبصرے جسٹ فار جوک تھے۔ ہمارا اور کوئی مقصد نہیں تھا۔“ مسعود نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نہایت سنجیدہ انداز میں معذرت کی۔

وجاہت خاموشی سے اپنا سامان سمیٹتے رہے، وہ سب بھی چپ چاپ پہلے سے طے شدہ پروگرام کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے تھے۔

--*

”ہاں تو وجاہت علی رضا! آپ ہمارے اس حلقے میں شامل ہونا چاہتے ہیں؟“ رضوانہ نے بڑے رعب سے سوال کیا۔

”جی ہاں۔“ وجاہت خوش دلی سے مسکرائے۔
”تو پھر آپ کو ہماری کچھ شرائط سے اتفاق کرنا پڑے گا۔ کسی بھی خلاف ورزی کی صورت میں آپ سزا کے مستحق ہوں گے اور ہم سزا دینے کے مجاز۔“ صوفیہ رینم دراز شیراز احمد نے اپنے مخصوص انداز میں آگاہ کیا۔

”مجھے منظور ہے۔“

سجاد نے انہیں شرائط بتائیں جو کچھ اس قدر مضحکہ خیز تھیں کہ لمحے بھر کو وجاہت حیران ہی رہ گئے۔

شاہد نے ان سے ”بیعت“ لی اور افتخار نے

نولیفکیشن (اعلامیہ) جاری کیا۔

”وجاہت علی رضا! آج تمام معززین کی موجودگی میں شاہد بدر الدین کے دست حق پرست پر داخل حلقہ ہمسایاں ہوئے ہیں سو آج سے ان کا نام وجاہت علی رضا سے بدل کر وجہ کر دیا گیا ہے لہذا آئندہ حلقے میں انہیں اسی نام سے پکارا جائے۔“

سب نے باقاعدہ ہاتھ اٹھا کر ان کے حق میں دعائے خیر کی اور یوں وجاہت ان بے فکروں کے اس گروپ کے باقاعدہ رکن بن گئے۔

وجاہت کی دراصل شازیہ بھالی سے کچھ عزیز داری تھی اور وہ ان ہی سے ملنے آئے تھے مگر یہاں اتنے بہت سے لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا جو کسی نہ کسی رشتے سے ان کے بھی عزیز تھے۔ اجنبی شہر میں تنہا ہونے کے سبب ان کی بیشتر شاخیں ان ہی لوگوں کے درمیان گزرنے لگیں کہ شازیہ بھالی کے گھر میں ہر شام کو جمعے والی یہ تحفیں ان کے معمولات کا حصہ تھیں اور اب وہ ان میں باقاعدہ شامل کر لئے گئے تھے۔

ان ہی کے اعزاز میں منعقدہ رات کے کھانے سے فارغ ہو کر وہ سب صرف پان کھانے کی غرض سے مرکزی سڑک تک گئے۔ واپسی میں باتیں کرتے چلتے ہوئے بڑے لا پرواہ انداز میں پوری سڑک گھیر کر چل رہے تھے۔ آبی اور شاہد ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے سب سے آگے نہ جانے کس وقت موضوع پر بحث میں الجھے ہوئے تھے۔

”لاڑکے نوری اور رختی کو کن اکھیوں سے دیکھتے ہوئے ان کے درمیان سے گزر کر آگے نکل گئے۔ وہ دونوں ہی کچھ جربزی ہوئی تھیں۔“

”اے مسٹر۔“ کافی آگے نکل جانے کے بعد اچانک انہوں نے پکارا انہوں نے پلٹ کر دیکھا۔

”بھالی صاحب! ذرا بات سنئے گا۔“ سجاد نے بڑی شائستگی سے درخواست کی۔ وہ جبکہ پھر آگے سجاد انہیں بجلی کے پل کے نیچے لے گیا۔ دونوں کے چہروں کا بغور معائنہ کیا۔

”دونوں برابر ہیں۔“ اس نے رختی کو اطلاع دی۔

”ان کا خیال تھا آپ کی ایک آنکھ چھوٹی ایک بڑی ہے لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ دراصل انہیں آپ کے دیکھنے کے انداز سے غلط فہمی ہو گئی۔ فکر کی کوئی بات نہیں۔ آئندہ احتیاط کیجئے گا۔ سڑک پر چلنے کے بھی کچھ آداب ہوتے ہیں۔ اب آپ جاسکتے ہیں شکریہ۔“

وہ دونوں کچھ نروس تو پہلے ہی ہو گئے تھے۔ مزید ہونق ہوئے پھر تیزی سے راستہ کاٹ کر اگلی گلی میں مڑ گئے۔ شازیہ بھالی ’رضوانہ‘ تابندہ‘ رختی وغیرہ ان کی بوکھلاہٹ اور بدحواسی پر ہنستے ہنستے لوٹ گئیں۔ لڑکیوں کو گھر واپس چھوڑ کر وہ سب وجاہت کو چھوڑنے ان کے پچھلے ہوم تک گئے۔ انہی اسی تاریخی قسم کی کنگ سائیز فورڈ میں بیٹھ کر جس کے متعلق شاہد کا دعویٰ تھا کہ سرہنری فورڈ نے بغس بغس واداجان کی خدمت میں تحفے کے طور پر پیش کی ہوگی۔ اور جو اپنے اس قدر قدیم ماڈل کا رکھنے اور اسے دن کنڈیشن کے سبب شہر کی سڑکوں پر دوڑتی ہوئی لوگوں کی توجہ مبذول کرانے کے ساتھ ہی ان سب بے فکروں کی شناخت بھی بن چکی تھی۔

واپسی میں آؤں کریم کھا کر آئے۔ بڑی شرافت سے لڑکیوں کے سامنے جھوٹ بولا، جو نشاندہی کرتے ہوئے فراخ دلی کے ساتھ صحیح تسلیم کر لیا گیا۔

--*

”یا اللہ کس قدر نامعقول لوگ ہیں۔ کیا انہیں علم نہیں ہے۔ گر لڑہاٹل کے سامنے اس طرح ہارن بجانے کا کیا نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے۔“ رختی نے خاصی تشویش کے ساتھ رضوانہ کو دیکھا۔

اس سے پہلے کہ کسی کی چشم کرم جوتیوں کی شکل میں ان پر پڑ جائے وہ ہماری مجبوریاں نہ دیکھ سکیں اور ہمیں چھوڑ کر نکل جائیں ہم یہ سکرہ چھوڑ جائیں گے رضوانہ نے سچویشن کے مطابق ڈرامائی انداز میں مترنم قسم کی تسلی دی۔

ان لوگوں کو آمادہ دیکھ کر ہارن بند ہوا۔

”ارے یہ بھی تمہارا کزن ہے۔“ سرت کچھ حیرت بھرے رشک سے لاچار ہوئی۔
”کون؟“ رخشندہ نے حکم کر دیا۔
”یہ جو گاڑی سے نیل لگائے کھڑا ہے۔ پنڈ سم سا ڈشنگ۔“

”آف کورس ہائی لڈی۔“ رخش نے وجے کو دیکھتے ہوئے بڑے فخر سے کہا۔

”میرے تمام کزن پنڈ سم اور ڈشنگ ہیں، اگر تمہیں سڑک پر بھی یعنی راہ چلتے کوئی خوبصورت سا انسان نظر آئے تو فوراً سمجھ لو کہ وہ میرا کزن ہے۔“ اس کی سنجیدگی پر تابندہ اور رضوانہ بے ساختہ ہنس پڑیں۔ سرت جھینپ گئی۔

وہ سب ٹینوں سے فارغ ہو کر تقریباً دو ہفتے بعد ویک اینڈ گزارنے گھر جا رہی تھیں۔

ان میں سے بیشتر کا قیام دراصل ہوسٹل ہی میں تھا۔ حصول تعلیم کی غرض سے اس شہر میں مقیم ہونے، آپس میں بہت قریبی اور حقیقی رشتے داریاں رکھنے کے سبب اور چند خصوصی مراعات کی بنا پر اکثر کئی کئی دن شازبہ بھالی کے گھر میں گزارتے جو اچھا خاصا پیکل ہوم یا بورڈرنگ ہاؤس ہی کی شکل اختیار کر گیا تھا۔

”پس ثابت ہوا کہ وجاہت علی رضا جیج خوب صورت انسان ہیں۔“ رخش نے اپنے مخصوص فیصلہ کن انداز میں کلمہ پیش کیا۔

”کیوں؟“ بالکل شخص کر بیٹھے ہوئے شیراز نے بمشکل مڑنے کی کوشش کی۔

”سیدھے بیٹھو ورنہ گاڑی کسی کعبے سے ٹکرا جائے گی۔“ شاہد چلائے۔

”اس لیے کہ وہ ہماری ہاسٹل کو لیکز جو کہ کافی مذہب اور شائستہ خواتین ہیں، یہ ان کی رائے ہے۔“ رضوانہ نے اطمینان سے انکشاف کیا وجاہت کا دم بدم سرخ پڑتا چہرہ دیکھ کر وہ سب قہقہہ مار کر ہنس پڑے۔

”یا خواتین! کیا یہ ممکن نہیں کہ تمہاری یہ انتہائی پیلیجر قسم کی ہاسٹل کو لیکز ہمارے اور بھرے کرنا چھوڑ دیں۔“ افتخار نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

* خوبصورت معیاری کتابیں

آئندہ	غزلیہ	ڈاکٹر بشیر بدایہ 90٪
آسمان	غزلیہ	ڈاکٹر بشیر بدایہ 70٪
اسیج	غزلیہ	ڈاکٹر بشیر بدایہ 70٪
آہٹ	غزلیہ	ڈاکٹر بشیر بدایہ 60٪
کلیات بشیر بدایہ	غزلیہ	ڈاکٹر بشیر بدایہ 300٪
زندگی	غزلیہ	منظر ہوائی 75٪
عالمی مشاعرہ	انتخاب	افضال مدنی 90٪
لمحے	غزلیہ	نذیر سگر 60٪
آہنگ خار	غزلیہ	خمار بابہ بنگو 150٪
ستارہ سفر	غزلیہ	جمال احسانی 75٪
نغمات مع پرچائیاں مصوٰیٰ	غزلیہ	ساحر لہاری 90٪
آؤ کہ کوئی خواب نہیں	غزلیہ	ساحر لہاری 60٪
تنہا مسافر	ناول	ذوالقرنین 150٪
جب وہ چوے پتھر کو ناول	ذوالقرنین	50٪
کتوری	افسانہ	رفت سراج 75٪

کتاب بندی ۷.۰۰ روایتی نہیں کی جا سکتی، کتاب
مکتوبہ کے لیے کتاب کی قیمت اور اخراجات فی کتاب
۱۵ روپے بذریعہ مفت آرڈر یا ڈرافٹ ارسال کریں

کتابیں ملے کا پتا
مکتوبہ عمران ڈائجسٹ

37 آر دو بازار کراچی
فون 216361

*

”اور اے عزیز از جان افتخار احمد! کیا یہ بستر نہ ہوگا کہ آپ یوں اس طرح موقع بے موقع ہمارے ہاسٹل کا رخ کرنا چھوڑ دیں۔“ تابندہ نے ان سے بھی زیادہ سنجیدگی سے استفسار کیا۔
وہ سب ہنس پڑے۔

--*

”سنو سنو ایک زبردست بمبائٹ قسم کی نیوز۔“ رضائے صوفیہ بر گرتے ہوئے سب کو متوجہ کیا۔ وہ ابھی ابھی باہر سے آیا تھا۔

”وہ پاسپورٹ سائز انور کی شادی صفیہ صغیر حسین سے ہو گئی۔“ اس نے ایک ہاتھ سے ٹائی کی ٹاٹ ڈھیل کی اور دوسرے ہاتھ سے جو تار تار کراچھالتے ہوئے گویا دھماکہ کر دیا۔

”کیا۔ آ۔“ سب بیک وقت اتنے زور سے چلائے کہ باد بوجی خانے میں مصروف شازبہ بھالی دوڑتی ہوئی لاؤنج میں پہنچ گئیں۔

”کیوں بے پر کی اڑاتے ہو یا ر! کہاں وہ پاسپورٹ سائز انور اور کہاں وہ اتلا رحمت۔“ سجاد کو قطعی یقین نہیں آیا۔

”میں دونوں کو ایک ہی فریم میں دیکھ کر آ رہا ہوں۔“ رضائے اطمینان سے ٹانگیں پھیریں۔

”کہاں؟“ رازی نے بے اعتباری سے گھورا۔
”اہلغی پر دونوں شاپنگ کرتے پھر رہے تھے۔“
”شادی سے پہلے یا بعد میں؟“ افتخار کا لہجہ بھی خاصا مشکوک تھا۔

”شادی کے بعد بھی بالکل کی مصدقہ شادی۔“
”کمال ہے؟“ عارف بڑبڑایا۔

”چھوڑو یا ر! یہ ناممکن ہے۔ اس کو غلط فہمی ہوئی ہے۔“ شاہد نے فیصلہ کیا۔

”اور وہ دونوں کل شام کی چائے ہمارے ساتھ پیئیں گے۔ دعوت بڑی خوشی سے قبول کی گئی ہے۔“ رضائے مزے سے صوفیہ پر نیم دراز ہو کر آنکھیں موند لیں۔

”کیا ان سب مہذب خواتین کو سکتہ ہو گیا ہے؟“ افتخار نے ان کی طرف سے کوئی کمنٹ نہ پا

کر کر تشویش انداز میں عارف کا شانہ ہلایا۔
”کیسے لگ رہے ہوں گے دونوں ساتھ ساتھ۔“ تابندہ نے چونک کر رضا سے سوال کیا۔

”بڑھ متوالے۔“ شیراز نے کہا۔
”نہیں۔ اچھے لگ رہے تھے کیونکہ کچھ انور نے بڑھنے کی کوشش کی تھی اور کچھ صفیہ نے گھٹنے کی۔“

”کیا مطلب؟“ شازبہ بھالی حیران تھیں۔
”مطلب یہ کہ انور کی ٹیل چھانچ کی تھی اور صفیہ کی ٹیلیٹ چپل۔“

”میں تو یہ حیران ہوں کہ صفیہ جیسی اسمارٹ ماڈ اور ویل آف لڑکی نے اسے قبول کیسے کر لیا جب کہ اس کی اپنی نکاس (طبعی) میں ایک ہینڈ سم لڑکے اس میں انٹر سٹڈ تھے۔“ رحمتی تشویش کا شکار ہو گئی۔

”اور ویسے بھی انور تو اس معاملے میں بالکل شخص ہے۔ اس کی صفیہ سے تو کیا کسی سے بھی اس قسم کی فرینڈ شپ نہیں تھی۔“ رضوانہ کا لہجہ بھی حیرت کا مارا ہوا تھا۔

”ارے وہ اے قد کے معاملے میں خاصا مایوس ہے۔“ نوری نے افسوس کے ساتھ پر روشنی ڈالی۔

”سخت حیران کن بات ہے بلکہ ناقابل یقین کہ اتنے شاندار پروڈیوزر اس نے انور جیسے لڑکے کو ترجیح دی۔“ رضوانہ اب بھی تذبذب میں تھی۔

”ویسے وہ لڑکی اتنی ہی اسمارٹ ہے کہ اس سے ہر بات کی توقع کی جاسکتی ہے۔“ شنو نے تسلی دی۔

”اور یہ پروڈیوزر یقیناً خود صفیہ ہی کی طرف سے ہوا ہوگا۔ سمجھے یقین ہے۔“ عارف نے پورے وثوق سے کہا۔

”انور سے شادی دراصل صفیہ کا سپر سیرٹی کمپلکس (احساس برتری) ہے۔“ شیراز نے اسی مخصوص انداز میں انکشاف کیا۔

”کیا مطلب؟“ شازبہ بھالی بدستور حیرتوں کا شکار تھیں۔

”آپ کو کیا مطلب؟“ کا دورہ پڑا ہے آج۔“ شاہد اطمینان سے پلٹے۔

”کیا ہوا۔“ وہ ایک دم چپ ہوئیں اور

معہ لوازمات مکمل انتظام کریں اور کوئی ان کا ہاتھ نہیں
بٹائے گا۔ بقیہ تمام لوگ پارک تک چکر لگانے جائیں
گے۔ واپسی پر چائے بالکل تیار ملنی چاہیے۔“

شاہد نے عدالتی انداز میں فیصلہ سنایا۔ سب نے
دھیرے سے تالیاں بجا کر تائید کی اور عدالت
برخواست ہو جانے والے انداز میں اٹھ کھڑے
ہوئے۔

رخشندہ نے کھا جانے والی نظروں سے شاہد کو گھورا اور
پیر پختی ہوئی کچن کی سمت چلی گئی۔

”یہ زیادتی ہے۔“ وجاہت نے احتجاج کرنا چاہا۔
”شش چپ در نہ تم بھی سزا میں شریک کر دیے
جاؤ گے۔“ شیراز نے ہونٹوں پر انگلی رکھی۔

اور جیب وہ سب پارک کا چکر لگا کر لوٹے تو چائے سچ سج
تیار تھی۔ فکر چسپ، سمو سے اور تلی ہوئی مٹر کے
ساتھ تمام سروس ہی رخصتی کو تنہا کرنا پڑی۔

سب نے کپ شپ کے دوران پالیاں اٹھائیں۔
جیسے ہی وجاہت نے پہلا گھونٹ لیا۔ وہ بجائے اندر
جانے کے باہر آگیا۔ اور بوکھلاہٹ میں پیالی لان پر
اوندھ گئی۔ مابندہ نے فوراً ”روال پیش کیا۔“

”تھینکس۔“ انہوں نے اپنی جیب سے روال
کھینچ لیا۔

پھر حیرت سے تمام چروں پر نظر دوڑائی۔ جو بڑے
سکون سے چائے پینے میں مشغول تھے۔ مگر ان کی
چائے ”کڑوی زہر تھی۔ جس میں فراخ دل سے نمک
استعمال کیا گیا تھا۔“

”میری چائے میں شاید غلطی ہے۔“ کچھ
پشیمان سے لہجے میں وضاحت کرنی چاہی۔

”آپ نے؟ ہیں جناب! اس لئے یہ حرکت معاف
کی جاسکتی ہے ورنہ آپ بھی سزا کے مستحق قرار پاسکتے
ہیں۔“ رضائے فوراً ”قطع کلامی کی۔“

”کیا مطلب؟“ وجاہت حیران سے کہیں زیادہ
پریشان ہو گئے۔

رضا جواب دینے کے بجائے شاہد کی طرف دیکھنے
لگے۔

”رخشندہ بیگم! آپ کی یہ حرکت سیف ڈپازٹ میں

کمرے میں بے ساختہ قبضے بکھر گئے۔
”یہ کس قسم کا احساس برتری ہے بھی؟“ وجاہت
سمجھنے سے قاصر تھے۔

”بات دراصل یہ ہے کہ وہ یعنی صفیہ صغیر حسین
خود کو لڑکوں کے مقابلے میں برتر خیال کرتی ہے۔ لیکن
اس کی یہ برتری کسی بھی طور تسلیم نہیں کی جاسکتی۔
لہذا اس نے اپنی ذہنی تسکین کی خاطر یہ راستہ
ڈھونڈا۔ ایک چھوٹے قد کے لڑکے کے انتخاب کو
ترجیح دی تاکہ وہ خود کو برتر سمجھ سکے۔ خواہ وہ قد ہی کی
برتری کیوں نہ ہو۔“

شیراز نے اپنے مخصوص لہجے میں تجزیہ کرتے ہوئے
سمجھایا۔

”جیب رہو ہو کرٹ دی گرٹ۔“ تیری یہ ہجو
کریں، کسی دن تیرا بیزا غرق کرائے گی۔ دیکھ لیتا۔“
عارف بے طرح بھنگا گیا۔

”کل شام کی چائے خوب زبردست اور شاندار
ہونی چاہیے کہ مسٹر اینڈ مسز انور یقیناً ہمیں بھی اپنے
ہاں انوائٹ کریں گے۔“ سجاد نے شازیہ بھابی کی
انتظامی صلاحیتوں کو لاکارا۔

”سنو عزیزان کرامی! آج رات کا کھانا انٹرکون میں
ہوگا۔ اس لئے کہ صبح سجاد کا چیک آگیا۔“

”لی وی سے۔“ عارف نے دونوں ہاتھ بلند کر کے
اطلاع دی۔

”ہمارا کوئی موڈ نہیں ہے کسی ہوٹل میں جھک
مارنے کا۔“ رخصتی قالین پر ٹانگیں پارے دیوار سے
پشت نکائے گیان دھیان میں مصروف تھی۔ ایک
آنکھ کھول کر بڑی کاہلی سے کہا۔

لیکن جب کسی طرف سے بھی تائید میں کوئی آواز
نہیں آئی تو اس نے پٹ سے دونوں آنکھیں کھول
دیں۔

وہ سب سنجیدگی سے اسے دیکھے جارہے تھے۔

”چونکہ محترمہ رخشندہ وصال صاحبہ نے ہماری
پارٹی کے ایک اصول سے انحراف کرتے ہوئے ایک
درست اور جائز بات کو رد کرنے کی جرات کی ہے تو
کیوں نہ انہیں سزا دی جائے کہ وہ آج شام کی چائے کا

ساتھ دن اور تاریخ بھی جگمگا رہی تھی برآمدے کی سیڑھیوں پر قدم لٹھکھٹک گئے۔
وہ حسب عادت کرسی پر دونوں پاؤں اونچے کئے اخبار سامنے پھیلائے دنیا سے بے خبر کی فضول قسم کے مضمون میں غرق تھے۔
”لنٹن صاحب!“

اخبار کے زائے میں کوئی جنبش یا تبدیلی نہیں ہوئی۔ ان کا وجود تو اس کے پیچھے کیس روپوش تھا۔
”لنٹن صاحب!“ وجاہت نے پھر آواز دی۔
”آہ۔ ہاں۔ کون صاحب ہیں۔“ خاصی بلند ہیکار پر ہڑبڑا کر سیدھے ہونے کی کوشش کی اور اخبار ہاتھ سے نکل کر در تک پھسلتا چلا گیا۔

”اچھا۔ آپ ہیں۔“ انہوں نے سخت خشکی سے ہنسی ضبط کرنے کی کوشش کرتے ہوئے وجاہت کے شوخ اور رشاش چہرے کو دیکھا۔

”شازیہ آئی ہیں گھر میں؟“ انہوں نے خاصی تمیز سے اخبار سمیٹ کر ان کی طرف بڑھایا۔
”جی نہیں۔“ جھٹکے سے اخبار لے لیا گیا۔
”کہاں گئی ہیں؟“
”شادی میں۔“

”اوائے ہوئے؟“ وجاہت نے سٹی بجائی۔
انہیں یاد آگیا کہ آج چچا شفیق احمد کے ہاں بڑی دھوم دھامی قسم کی تقریب تھی۔ آدھا شہر بدعو تھا اور وہ اپنا دعوت نامہ کیس ڈال کر بھول چکے تھے۔
”اور سب لوگ؟ کوئی آیا نہیں آج؟“ وجاہت نے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے خاصی کوفت کے عالم میں سوال کیا۔

”وہیں گئے ہیں سب ساتھ ہی۔“ بدستور ناراض سے وہ دوبارہ اخبار کے پیچھے قلعہ بند ہو چکے تھے۔
”کیا کوئی بھی نہیں ہے گھر میں۔“ وجاہت ٹلنے کو تیار نہ تھے۔

”تاہذہ لی لی اوز رازی میاں ہیں۔“ پچھلے لان میں۔ ذرا زحمت کر کے دیکھ لیجئے۔“ اخبار کی تفصیل پھر بلند ہو گئی۔ مطلب یہ کہ دفع ہو جاؤ اب کب تک جان کھایاؤ گے چھوڑو میرا بچھا۔

مٹی سے مع سود کے واپسی ہوگی۔ واضح رہے۔ اور وجے! آپ اظہار کر کے رختی کی اس حرکت کو کامیاب بنانے کے مجرم ہیں۔ لہذا آپ کو سزا ضرور ملے گی۔ مگر یہ تمام لوگ مشترکہ اور متفقہ طور پر تجویز کریں گے۔“ شاید نے فیصلہ سنایا۔

”پکچر پکنک، پارٹی، کونز، چائنہز، کافی جوس، آئس کریم، اسٹیکس ساری تجاویز روہتی رہیں کہ جرم اتنا سنگین بہر حال نہیں تھا کہ اتنی مہنگی سزا دی جا سکے اور مجرم نوادار۔“

”تویات کچھ یوں ہوئی“ تاہذہ نے جو بڑی دیر سے چپ چاپ کرسی کے ہتھ پرائکلیوں سے طبلہ بجا رہی تھی۔ سب کو اپنی طرف متوجہ کیا۔
”وجے کی آواز بولنے میں بھی خاصی دل کش ہے تو کیوں نہ ان سے ایک عدد اچھا سا بہت خوبصورت قسم کا گیت سنا جائے۔“

”بھتر بھتر دھڑقل۔“ سب ایک دم متفق ہو گئے۔

وجاہت نے چونک کر تاہذہ کی طرف دیکھا مگر وہ تو مکمل طور پر شاید کی طرف متوجہ تھی۔

انکار کی کوئی گنجائش نہ پا کر مجبوراً ”گلا صاف کرنا پڑا۔ ہم تم ہو گئے بادل ہو گا رقص میں سارا جنگل ہو گا ہم تم ہوں گے۔“

بتدریج بلند ہوتی ہوئی بڑی صاف نرم گہیر اور مدھر آواز گویا فضا کو گرفت میں لیتی ہوئی کسی گہرے احساس کو چھو رہی تھی۔ ان کی آواز میں بلا کا سوز اور گداز تھا۔ سب حیرت کے ساتھ سحر زدہ سے ہو گئے۔ وہ چپ ہوئے تو فضا کا طلسم بھی ٹوٹ گیا۔

یہ انکشاف تو گویا ابتدا بھی پھر ان سب نے سچ سچ ایک یادگار شام گزار دی بے شمار فرمائشوں کے ساتھ۔

*-**

سرخ مورم کی روش طے کرتے ہوئے وجاہت نے گھر پر چھائے ہوئے سانے کو محسوس کیا۔

”کیا آج ہفتہ نہیں ہے؟“ انہوں نے چونک کر گہری نظروں کے سامنے کی۔ ڈاکل پر وقت کے

”جی ہمت، آپ پہلے ہی بتا دیجئے۔“ وجاہت ان کی خفگی پر مسکرائے اور ایک لمحہ ضائع کئے بغیر پچھلے لان کی طرف بڑھ گئے۔

”مگر وہاں تو کوئی بھی نہیں تھا۔ انہوں نے مایوسی سے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ دور ایریل لگا ہوا نظر آیا۔ وہ ست روئی سے قدم اٹھاتے قریب پہنچ گئے۔ بہت خوبصورت لینڈ اسکیپ سامنے براڑی کے پس منظر میں ڈوبتی شام کا دلکش عکس۔ رنگوں کا انتخاب ذہانت سے اور استعمال سلیقے اور خوبصورتی سے کیا گیا تھا۔ تصویر غالباً ”آج ہی مکمل ہوئی تھی۔“

رنگ ابھی پوری طرح خشک نہیں تھے۔ خاصی محنت کے باوجود تاثر پوری طرح اجاگر نہیں ہو پایا تھا۔ وہ مختلف زاویوں اور فاصلوں سے جائزہ لیتے رہے مضطرب انگلیوں نے جیب میں سگریٹ کا پیکٹ تلاش کیا پھر شاید وہ بھول گئے تھے کہ اب وہ فرانس کے اس آرٹ اسکول کے ذہین اور باصلاحیت استاد نہیں۔ جہاں فائن آرٹ میں ڈگری لینے کے بعد دو سال تک باقاعدہ خدمات انجام دی تھیں بلکہ یہاں ایمپلائمنٹ فزکس میں ماسٹرز کے طالب علم ہیں اور یہ تصویر ان کے کسی شاگرد کی کاوش بہر حال نہیں ہے۔

”پلیٹ پر رنگ پھیلے ہوئے تھے اور مختلف کٹر ٹیوب بھی میز پر بکھری نظر آرہی تھیں۔“

انہوں نے برش کا انتخاب کیا۔ اٹنے ہاتھ میں تھامے سگریٹ کے کش لگاتے ہوئے ان کا برش تصویر کو نئی زندگی دے رہا تھا، آخری ٹچ دے کر پیچھے ہٹے۔

اجانک ٹالیوں کی آواز پر محویت ٹوٹ گئی۔ چونک کر پلٹے۔

”بہت خوب وندر فل، آپ کی یہ صلاحیت آج پتا چلی۔“

شیراز اور تابندہ پتا نہیں کب پیچھے آن کھڑے ہوئے تھے۔

”سوری۔ مجھے بغیر اجازت ہاتھ لگانے کا حق نہیں تھا مگر۔“ دونوں کو مگر مجوشی کے ساتھ اپنی سمت بڑھتا دیکھ کر وہ کچھ پشیمان سے ہو گئے۔

رنگ بکھرے دیکھ کر طبیعت پر قابو نہ رکھ سکا۔

”ارے صاحب ہم نے کوئی اعتراض کیا؟“
دور میان ہی سے جملہ اچک کر شیراز دونوں بازو پھیلائے ہوئے مسخرے پن سے ان کے سامنے جھکے۔
”تالی تو بہت خوش ہیں۔ جس کی کوہ محسوس کر رہی تھیں۔ لیکن دور نہیں کپا رہی تھیں۔ وہ آپ کے مشاق ہاتھوں نے دور کر دی۔ ہوا طلب کام کیا ہے۔“
”اچھا تو یہ تابندہ کا شوق ہے۔“ انہوں نے خاصے تجسس اور دلچسپی سے اسے دیکھا۔

”اور آپ کیا سمجھتے تھے؟ یہ اس بندہ ناچیز کی بے ہنری ہے۔“

”بے ہنری؟ رازی! یہ پینٹنگ میں نے خود بنائی ہے۔“ تالی نے بھرپور احتجاج کیا۔

”بے شک، لیکن اناڑی اور کھلاڑی کا فرق دیکھ لو۔“

”نہیں بھئی، اس ہنرمندی ہی نے مجھے بے چین کیا ورنہ معمولی چیزیں متوجہ نہیں کر سکتیں۔“ وجاہت ہنسے۔

”میں نے تو صرف دو چار اسٹروک لگائے ہیں اور کچھ ٹچ دیئے ہیں تصویر بنی بہت زبردست ہے۔“ انہوں نے توصیفی نظروں سے دیکھا۔

”آپ کے ان ہی دو چار بولڈ اسٹروکس اور ہائی لائٹس کی بدولت وہ تاثر بھرپور طریقے سے جاگا ہے جو میں چاہ رہی تھی۔“ اس نے فراخ دلی سے اعتراف کر لیا۔

”قابل قدر ہیں وہ لوگ جو انکساری اور کسر نفسی سے کام لیں، ورنہ آج کے دور میں یہ جنس نایاب ہو چکی ہے۔ بھائی۔“ لان پر بائتی مار کر بیٹھتے ہوئے شیراز کی ”بقراطیت“ پھر سیدار ہو گئی۔

”ہاں شاید میں خوفزدہ تھی اگر مزید ٹچ کر دیں گی تو وہ تاثر بھی برقرار نہیں رہ پائے گا جو کہ تھا بہر حال میں مشکور ہوں اور حیران بھی“ آپ نے یہ سب کب اور کہاں سیکھا؟“

”ایک عرصہ پہلے فرانس میں۔“ انہوں نے آرام سے بتایا۔

”فرانس میں۔؟ آپ فرانس جا چکے ہیں۔“

شیراز جو نکلے۔
 "میں نے فرانس کو یہاں بلوایا تھا۔" ان کی سنجیدگی پر تابندہ کھلکھلاہٹیں پڑی۔

"میرا مطلب یہ کہ مجھے کا واقعہ ہے؟" شیراز بے طرح جھنجھکے۔
 "میں نے کہا تو ایک عرصے پہلے۔"

"اور یہ ایک عرصہ پہلے کتنی مدت ہے بھلا۔"
 "میں نے تقریباً" دس برس فرانس میں گزارے ہیں۔" وجاہت نے بڑے مزے سے انکشاف کیا۔
 "ہیں۔؟ دس سال؟" شیراز کے ساتھ تابی نے بھی بے اعتباری سے انہیں دیکھا۔

"جی۔" وہ مسکرائے، "میں یہاں سے غالباً" لڑکپن ہی میں چلا گیا تھا اور پچھلے ہی سال لوٹا ہوں۔"
 "وہاں کیا کرتے رہے؟"

"یہی سب کچھ جو شیراز چھوڑ کر گیا تھا۔ سینٹر وہاں جا کر کیا۔ پھر فائن آرٹ میں ڈگری لی۔ ایلاینڈ فرسٹ میں آنرز گریجویشن کیا ساتھ ہی ایک آرٹ اسکول میں کوچنگ بھی کرتا رہا، پھر یہاں آگیا۔ اب یونیورسٹی سے ماسٹرز کر رہا ہوں بس یہی کچھ ہے ہماری لائف۔" وہ کچھ عجیب سے انداز میں مسکرائے۔

"مگر یہ فائن آرٹ اور ایلاینڈ فرسٹ۔" شیراز پریشان تھے۔

"وہ میرا شوق تھا۔ یہ میرا جنون ہے" وجاہت ہنس دیکے۔

"تو وہیں سے کیوں نہ ماسٹرز بھی کر لیا۔"
 "مجھے وہاں کی زندگی پسند نہیں۔ اپنے وطن آنا چاہتا تھا۔ وہ تو کچھ مجبوریاں تھیں کچھ مسائل جنہوں نے دس گیارہ برس وہاں باندھے رکھا۔ اب میں آزاد ہوں آزاد اور خود مختار۔" انہوں نے گہرا طویل سانس لیا۔

"آپ لوگ چچا شفیق کی طرف نہیں گئے۔ سنا ہے شہر کی قابل ذکر تقریبات میں سے ایک ہوتے ہیں ان کے ہاں کے جشن۔" انہوں نے موضوع بدل دیا۔
 "ہاں مامو، شفیق کے ہاں کے جشن اپنے صاحب ثروت ہونے کا بے حد اور نادر اظہار و دولت وقت

اور انسانوں کے احساسات کا زیاں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو درحقیقت ذہنی طور پر بالکل بونے ہیں لیکن اپنے قامت سے کہیں بلند نظر آنا چاہتے ہیں۔ ان کے نزدیک نمود و نمائش بے تحاشا فضول قسم کا تصرف ہی جاوہ چشم کا آئینہ دار ہے اور ایسے لوگوں سے ہمدردی تو کی جاسکتی ہے۔ مگر ان میں شمولیت۔

عمر مقام ہوش سے خستے ہوئے لوگ ہیں دیوانے۔
 "اوائے ہوئے آپ تو ٹھہرے سدا کے ہو کر رٹ مگر یہ تابندہ۔" وجاہت کی نگاہیں تابندہ کے چہرے پر جا ٹھہریں۔

"مجھے وہاں منعقدہ ملبوساتی اور زیوراتی نمائش سے سخت وحشت ہوتی ہے۔ وہی گھسے پٹے خالص خواتینی مسائل، گھریلو تذکرے اور بھیرے بے مقصد اور لالچی گفتگو۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ انسان بات کس موضوع پر کرے اور آج تو مجھے اپنی یہ تصویر مکمل کر لی تھی۔" تابندہ نے کہا۔

"ہماری ایکس پلے نیشن تو ہو گئی مگر آپ کس خوشی میں تشریف نہ لے گئے۔" شیراز نے سگریٹ پیش کرتے ہوئے سوال کیا۔

"شکریہ میں بہت زیادہ عادی نہیں اور صرف اپنا براہِ استعمال کرتا ہوں۔"

"کیوں؟ اس میں بھنگ چرس، یا ہیروئن کی آمیزش ہوتی ہے؟" رازی نے پیکٹ دوبارہ جیب میں رکھ لیا۔

"میں شکل سے آپ کو بھگتیا چرسی نظر آتا ہوں۔"

"شکل سے تو آپ بڑے معرکہ الاہرا قسم کے ہیرو نظر آتے ہیں جن کے لئے کچھ جیت لینا مشکل نہ ہو۔ شہرول سے لے کر لہلی محل تک کیا خیال ہے؟"
 "لاحول ولا قوۃ۔" وجاہت ایک دم جھل سے ہو گئے تابندہ بے اختیار ہنس پڑی تھی۔

"اچھا صاحب! آپ رند پارما، سسی ہم نے سوال کیا تھا۔ آپ وہاں کیوں نہیں گئے۔"

"وہ میں دراصل بھول گیا تھا اور لائق صاحب کے اطلاع دینے پر سخت پچھتایا بھی تھا مگر اب بہت خوش

طرح واقف ہیں۔ ان کی محبت ہی دراصل ان کا اختیار ہے۔ وہ ہم میں سے جسے چاہیں کان سے پکڑ کر سزا دے سکتے ہیں اور جس سے چاہیں جواب طلبی کر سکتے ہیں اباجی کے معاون خصوصی زمینوں کا سارا حساب کتاب اور اس گھر کے تمام اخراجات کا بجٹ ان ہی کی تحویل میں رہتا ہے اور وہ ہمیں اچھے ڈھنگ کے شریف نیک اور فرماں بردار بچوں کی صف میں رکھنا چاہتے ہیں اس لیے ہر وقت ٹالال رہتے ہیں۔ بس اتنی سی بات ہے۔“

وجاہت اس کے نرم پھوار جیسے لمبے کے زیر و بم میں ڈوب ڈوب کر ابھر رہے تھے۔ یہ شخص احساس کے رشتے اور اتنے طاقتور۔ ان کے لئے خاصی اچھے کی بات تھی۔

”یہ آپ کے شجاع بھائی ہوتے کہاں ہیں۔“

”گوت میں۔“

”جواب وغیرہ کا سلسلہ ہے یا برنس۔“

”ہماری حکومت نے انہیں پٹے پر دیا ہوا ہے۔“ شیراز داپس آچکے تھے۔

”کیا مطلب؟“

”وہ دراصل ایک پروجیکٹ مکمل کر رہے ہیں۔“ تابندہ ان کی حیثیاتی برنس دی ”ڈیوٹیشن“ پر سمجھ گیس۔ حکومتی معاہدے کے تحت یہی گورنمنٹ جاب ہے تنخواہ کمپنی ادا کرنی ہے۔“

~~*

بار وجاہت! اٹھ بھی چکوا۔ بندہ خدا کیا ہو گیا ہے تجھے نونج رہے ہیں پونہور کسی نہیں جانا آج؟“ مسعود نے تنک آکر کبل کھینچ لیا۔

”اس۔ نونج گئے؟“ ”سراٹھا کر دیوار گیر گھڑی کی طرف دیکھا اور کالوں کی طرح اٹھ کر بیٹھے ہوئے سر کے بالوں میں انگلیاں پھنسا کر دو چار جھٹکے دیئے۔“

”کیس کوئی نشے کی لت تو نہیں پال لی ہے۔ یہ رات دیر تک غائب رہنا اور صبح اتنی مشکلوں سے بستر چھوڑنا۔ ہفتہ اتوار بالکل لاپتہ یہ کچھ صحیح علامات نہیں ہیں دوست۔“

”اچھا؟“ وجاہت نے ہنس کر سلپر تلاش کیے

ہوں ہزاروں جالوں کی نسبت دو عالموں کی صحبت بدرجہا بہتر ہے۔“ وہ شرارت سے ہنسنے لگا۔

”ارے صاحب! کیا صاحب نظر واقع ہوئے ہیں آپ بھی۔ آداب عرض، آداب عرض۔“ رازی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”شام کی چائے تو آپ نے یقیناً“ نہیں پی ہوگی۔“

”جی درست اندازہ ہے۔“

”مگر تالی۔“ شیراز کو کچھ اور یاد آیا ”وہ اپنے لیتق صاحب تو اس وقت ہرگز کوئی خدمت انجام نہیں دیں گے اور اس دل آرام کو شازیہ بھالی اپنے ساتھ لے گئیں وہ بشیر گدھا بھی اس وقت پتا نہیں کہاں غائب ہے۔ اور تم جانتی ہو چائے دنیا کی تمام نعمتوں میں سب سے افضل نعمت ہے۔“

”میں جانتی ہوں اے برادر عزیز مگر میں اس وقت کچن کا بیخ کرنے کے بالکل موڈ میں نہیں۔ سو تم کسی ذرا کم افضل نعمت پر گزارہ کرلو۔“ تابندہ اپنے رنگ برش لیٹنے میں مصروف تھی۔

”اچھا پھر میں کوشش کرتا ہوں۔ شاید لیتق صاحب کو رحم آ ہی جائے۔“ شیراز ڈھیلے ڈھالے قدموں سے ادھر چل دیئے۔

”یہ آپ کے لیتق صاحب ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آئے۔“ وجاہت بغور تابندہ کے حرکت کرتے ہاتھوں کو دیکھ رہے تھے۔

”کیوں سمجھ میں نہیں آئے۔“

”مطلب یہ کہ ان کی حیثیت، ملازم بھی نظر نہیں آتے اور خاصے صاحب اختیار بھی لگتے ہیں۔“

”صاحب اختیار تو وہ ہیں یہ بے چارے جدی پشتی ملازمین کی نسل۔ بڑے خاندانوں کے پروردہ لوگ۔ ان کی حیثیت بلاشبہ گھر کے افراد ہی کی سی ہوتی ہے۔ لیتق صاحب کو آپ اس گھر کا کیئر ٹیکر سمجھ سکتے ہیں بلکہ اتالیق، وہ دراصل شجاع بھائی کی محبت میں یہاں آئے ہیں۔ بقیہ ان کے گود بوں میں کھلایا ہے انہیں تو اب ان کی دلہن کو تنہا کیوں کر رہنے دیں؟ اور یہ ہے بھی حقیقت صرف شجاع بھائی کو ہی نہیں مجھے اور شاہد بھائی کو بھی۔ شازیہ بھالی اس بات سے اچھی

”ویسے بات میری بھی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہی کہ لوگوں کو مجھ پر نشہ بازی کا گمان کیوں گزرنے لگا ہے۔“

”کیا کوئی اور بھی بد گمان ہوا ہے۔“
”تو تمہیں یقین ہے اپنے گمان کے بد ہونے کا۔“
وجاہت نے بات اڑادی۔

”بیٹے خان! اس حال کو یا تو نشہ پہنچاتا ہے یا پھر عشق اگر نشے کی عادت نہیں ہے تو پھر عشق کا روگ ہو گا مگر کچھ ہے ضرور۔“

”تمہارا سر۔ جانتے ہو میں دونوں بد عتوں سے دور ہی ہوں۔“ وہ تکیہ کندھے پر ڈال کر ہاتھ روم کی سمت بڑھ گئے۔

”بچھلے بندرہ منٹ سے مسلسل پانی گرنے اور سیٹی بجانے کی آواز مسعود کو اور سلگاری تھی۔“

”تمہیں چلنا ہے وجو یا پھر میں جاؤں۔“ اس نے بڑے تحمل سے سوال کیا۔

”چل رہا ہوں یا ر! میری کلاس ہے دس دس پر۔ ایس آئی علوی کی۔“

”چھا تو ابھی تمہیں ہوش ہے کلاسز کا۔“
”آں ہاں یہ لوگ کیا صبح پوائنٹ سے نکل گئے تھے۔“

”ظاہر ہے۔“
”تم کیوں نہیں گئے۔“

”تمہاری محبت میں۔“ وہ بری طرح چپ گیا۔
”دئے ہوئے شکر یہ ادا کروں اس محبت کا؟۔“

وجاہت ہنستے ہوئے دروازہ کھول کر نکل آئے۔
”انسان بن جاؤ وجو! کل یونیورسٹی سے واپسی پر کیا کہا تھا تم نے۔“

”کل کیا کہا تھا اومائی گاڈ! کام آج بھی نہیں ہو سکے گا، بندہ تو نکل گیا ہو گا اب تک۔“ انہوں نے بوکھلا کر تکیہ صوفے پر اجمالا اور وارڈ روب سے قمیص کھینچ لی۔

”چائے شائے کچھ ہے ناشتا تیار کیا تھا کسی نے۔“

”آلیٹ بنایا تھا فرخ نے اور چائے بھی شاید گرم کرنی پڑے گی۔“

”نوبے نوابوں کی طرح بستر سے نکلو گے۔“

تو ضرور ناشتا ملے گا تمہیں۔“ مسعود کچن کی طرف بڑھ گیا۔

”تھینک یو مسعود! مجھے یقین آ گیا۔ یہ کام کی غرض نہیں میری محبت ہی ہے۔“ وجاہت نے جلدی جلدی سینڈوچ اور چائے حلق سے اتارتے ہوئے شرارت سے کہا۔

مسعود اس اثناء میں گھبرند کر چکا تھا۔ دونوں چابیاں نیچے والے فلیٹ میں دیں تاکہ ماسی برتن دھو کر صفائی وغیرہ کر سکے۔

”یہ تمہاری ڈاک ہے غالباً“ فرانس سے آئی ہے۔“ مسعود نے لفافہ میل باکس میں سے نکالا تھا۔

”ہاں فرانس سے صرف میری ہی ڈاک آ سکتی ہے۔“ وجاہت نے لفافہ اس کے ہاتھ سے لے کر دیکھے بغیر جیب میں ٹھونس لیا۔

”کیا چکر ہے تم کہیں ایسا پی پیٹا تو نہیں ہو، ہم سب کی گردنیں پھنساؤ گے کسی دن۔“

”یار مسعود! تم نے کیا سی آئی اے یا کوئی ایجنسی جو ان گرنی ہے۔“ خواجہ لائے سیدھے چار جز لگا لگا کر مستقل شے کی بنیاد پر غلط مسلط تفتیش کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔“ وجاہت ہنس پڑے۔

اور اس شام جب وہ الشجاع میں داخل ہوئے تو جسمانی سے زیادہ ذہنی تھکن کا شکار تھے۔ نئے ٹیوشن میں مصروف تھے اور ان لوگوں میں سے کوئی بھی موجود نہ تھا۔

”مجھے تو تم سب کی کمپنی چاہیے تھی۔ اس وقت اور یہاں اتنا سا ناؤدہ کچھ اور بھی ممکن ہو گئے۔“

شازیہ بھالی حسب معمول ہشاش بشاش نظر آئیں۔
”پلیز آبی! مجھے بہت اسٹرونک، خوب اچھی سی چائے بنا کر پلوایے خود اپنے ہاتھ سے آج مجھے۔“ وہ ایک دم چپ ہوئے۔

”مما یاد آ رہی ہیں۔“ شازیہ بھالی نے بغور ان کی شکل دیکھی۔

”بہت بے تحاشا۔“ انہوں نے دونوں ہاتھ ایک دوسرے میں پھنسا کر پیشانی ان پر ٹیک دی۔

”تمہیں اب شادی کرنی چاہیے وجو! یہ تہائی

انسان کو بہت دکھ دیتی ہے ویسے بھی تمہیں اب ایک دیکھ بھال کرنے والی کی اشد ضرورت ہے جو تمہیں بچکر ہوم کے عذاب سے نجات دلا سکے۔ گھر کی جائے گھر کے کھانوں کے لئے گھر ہونا ضروری ہے اور گھر کے لئے گھر والی۔ کیا خیال ہے؟۔ "شازیہ بھالی نے رندھے گلے سے خستے خستے کہا۔

"ہاں بے شک۔" وہ ایک دم سیدھے ہو گئے۔ کسی کے اپنے ہونے کا احساس کس قدر تسکین بخش ہوتا ہے۔ یہ مجھے اب معلوم ہوا ہے مگر میں اپنی تعلیم مکمل کرنا چاہتا ہوں۔" ضبط نے ان کی چھلکتی آنکھوں کو ارغواں کر دیا تھا۔

"تم اس طرح ملول اور دلگجھومت ہوا کرو جے! زندگی اتنی بے رحم نہیں ہے۔"

انہوں نے بالوں میں انگلیاں پھنسا کر ان کے گھنے بال بکھیر دیئے۔

"مگر آپ یہاں نہ ہوتیں شازیہ آپلی! تو میں یقیناً پاگل ہو جاتا۔"

وجاہت نے دونوں ہاتھوں میں ان کا ہاتھ تھام کر آنکھوں سے لگایا۔

"بری بات ہے! مرو روئے اچھے نہیں لگتے انہوں نے دھیرے سے اپنا بھیکتا ہاتھ چھڑایا۔

"حوصلہ رکھو۔ کوئی نئی پریشانی؟ ہشتکلیں دنیا میں انسانوں ہی کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ مروہ ہے جو ان آزمائشوں سے سہل طریقے سے گزر جائے۔"

"سچ کہہ رہی ہیں آپ۔ آپ کی حوصلہ مندی ہی نے تو مجھے ساحل دکھایا ہے ورنہ یہ اندر باہر کا ظالم یہ گرداب مجھے جینے نہ دیتے۔" انہوں نے سیدھے ہو کر چہرہ خشک کیا۔

"کیا ہوا؟" شازیہ بھالی کے ہمدرد نرم لہجے میں خلوص کی گہری تھی۔

"بھالی جان کا خط آیا ہے۔" وہ ایک دم پکھل گئے۔ "شجاعت کا؟" وہ بے طرح جو تکیں۔

"ہوں۔"

"اب اچانک اتنے عزمے بعد کیا چاہ رہے ہیں؟"

"عروبہ کی واپسی، دوسری صورت میں قانونی چارہ جوئی کی دھمکی۔"

"اور ہو مگر کیوں؟"

"وہ نہیں چاہتے کہ ان کی بیٹی دادی جان کی تحویل میں آیا جی کے گھرانے کے ساتھ پرورش پائے۔"

"یہ اطلاع انہیں کس نے پہنچادی۔"

"دوست اس دنیا میں کم ہیں آپلی! اور عروبہ مجھے بہت عزیز ہے۔"

"مگر تو ان ہی کی اولاد۔"

"بے شک مگر میں اسے وہاں اس معاشرے کا حصہ نہیں بننے دوں گا۔ وہ یہیں لے پڑے گی۔ خواہ کچھ ہو جائے۔" ان کے تلخ لہجے میں چٹانوں کی سی سختی اتر آئی۔

"اب کیا کرو گے۔"

"کل فیصل آباد جا رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں۔ عروبہ سے زیادہ اس جائیداد سے دلچسپی ہے جو بھالی نے اس کے نام کر دی تھی اگر وہ عروبہ کی قیمت مقرر کرنا چاہیں تو میں تیار ہوں، صرف وہی نہیں اپنا حصہ بھی چھوڑنے کے لئے، مگر وہ میری حیات میں مجھ سے الگ نہیں ہو سکے گی۔"

شازیہ بھالی نے ان کے رنجیدہ تلخ لیکن پر عزم چہرے کو دیکھا۔

"اور اگر تمہارے تایا جی تیار نہ ہوئے تب۔"

"وہ کیوں تیار نہ ہوں گے عروبہ ان کی مرحوم بیٹی کی نشانی ہے۔ اور وہ پہلے ہی بہت بڑی قیمت دے چکے ہیں اگر ان کے نزدیک بھی دولت انسانوں سے زیادہ اہم شے تو میں خود عروبہ کو وہاں نہیں رکھوں گا۔"

شازیہ بھالی نے ان کی شکل دیکھی اور چپ چاپ اٹھ گئیں۔

"ارے شازیہ بھابی! یہ آپ کے وجاہت علی رضا بھادر آخر ہیں کیا چیز؟"

"کیوں مجھے خبریت؟ یہ اچانک بیٹھے بٹھائے آپ کو کیا تشویش لاحق ہو گئی۔"

"تشویش مجھے لاحق نہیں ہوئی، خاندان بھر میں

پہل مچی ہوئی ہے اور ہم بے چارے ان سے پوری طرح متعارف ہی نہیں ہیں۔

”تو یہ اچانک پوری طرح متعارف ہونے کی ضرورت کیوں محسوس ہونے لگی؟“

”اصل میں پچھلے دنوں پھوپھی حمیرا کی طرف جانا ہوا تھا۔ بہت کچھ کہہ سن رہی تھیں۔ خوب اگلے پچھلے واقعات لٹے جارہے تھے۔ واہ بھی کیا خوب معرکہ کے لوگ واقع ہوئے ہیں اس خاندان میں بھی۔“ رضوانہ ہنسی۔

”اچھا؟ کیا واقعات لٹے جارہے تھے؟“ مارے تجسس اور اشتیاق کے وہ کوفتے بنانا بھول کر اس کی شکل دیکھنے لگی۔

”نیکھو ادھر مسالا بھین رہا ہے اور ابھی یہ سارا قیمہ کوفتوں کی شکل میں منتقل کرنا ہے۔“ وہ خود بھی ان کی بددگر رہی تھی۔

”ہاں آں۔“ ان کے ہاتھ پھر تیزی سے حرکت کرنے لگے۔ ”بتاؤ ناس کیا کہہ رہی تھیں؟“

”پہلے آپ یہ بتائیے۔ ان حضرات کا جغرافیہ کیا ہے؟ اصل رشتہ داری۔“

وہ میں بعد میں بتاؤں گی۔ پہلے تم یہ بتاؤ کہ وہ کہہ کیا رہی تھیں؟“

”مجھ سے پوچھ رہی تھیں کہ تمہارا تو بڑا آنا جانا ہے شجاع کے ہاں۔ سنا ہے خوب بہنا گاٹھا ہوا ہے ان کی دلہن سے، ہوٹل میں رہنے کا تو نام ہے۔ تم سب کئی کئی دن وہیں رہتے ہو۔ کیا وجاہت کا بھی اسی طرح آنا جانا رہتا ہے۔“

”پھر تم نے کیا کہا؟“

”میں نے کہا۔ آپ کئی کئی دن کی بات کر رہی ہیں۔ وہ تو ہفتوں وہیں رہتے ہیں۔ شازبہ بھالی کو سگی بہنوں کی طرح سمجھتے ہیں اور وہ بھی بالکل چھوٹے بھائیوں ہی کی طرح خیال کرتی ہیں۔“

”ہائے غضب یہ کیا کیا تم نے وہ نے چارہ تو مفتے کو بھی مشکل ہی سے آتا ہے، سنے گا تو کیا کہے گا۔ کیسی ان ہوئی کھڑی کرتے ہیں یہ لوگ خوا مخواہ شرمندگی کے سامان کر دیے۔“

”وجاہت تو کیا ہی کچھ کہیں گے جو کچھ حمیرا پھوپھی نے کہا ہے ناںی اماں سمیت سب ہی دھکے کھائے کہ اب دیکھیں پھوپھی عزیز جہاں ہم بر تو بڑی باتیں بناتی تھیں۔ پھوپھا رضی الدین کو ہو بیگم کی حرکتیں نظر نہیں آتیں۔“ وہ بڑے محظوظ ہونے والے انداز میں ہنسی۔

”شازبہ بیگم ہیں بڑی چلتی پرزہ، سر تو الگ رہے دھسایا سر کو بھی تمہیں میں کیا ہوا ہے ورنہ مجال بھی کسی کی جو وجاہت میاں یوں شجاع الدین احمد کے گھر میں قدم رکھتے اور وہ بھی میاں بدر الدین کی اولادوں کی وہاں موجودگی میں۔ بڑے تو ایک دوسرے کی شکلیں دیکھنے کے روادار نہیں اور دلہن بیگم تعلقات پروان چڑھا رہی ہیں۔ بھالی قدر کو اب کچھ نظر نہیں آ رہا۔“ اس نے مزے لے لے کر ان ہی کے لب و لہجے میں نقل اتاری۔

”اچھا آنے دو ذرا شجاع کو۔ ان کی تو میں اچھی طرح خبر لوں گی۔ جاتی کہاں ہیں کون سی میں نے طراریاں دکھائی ہیں جو ان کو چلتی پرزہ نظر آنے لگی۔“

”یہ آپ جانے ہم تو ادھار رکھنے کے قائل نہیں۔ اسی وقت حساب چکا دیا تھا۔“

”کیا حساب چکا دیا تھا۔“

”یہی کہ یہ ہمارے ایامیاں اور اماں بی کی بددھیال ہے اور آپ کا تعلق چونکہ ننھیال سے ہے۔ سو آپ اس ناتے اس سارے خاندان سے چڑی ہیں اگر ہماری اماں ماموں قدیر کی سگی بہن اور شجاع بھالی ہمارے ماموں زاد نہ بھی ہوتے تب بھی ہم اپنے باپ کے رشتے سے دس دفعہ ملتے اور پچیس دفعہ جا کر رہتے کسی کو برا لگتا ہے تو لگے اگر لوگ باتیں بناتے ہیں تو بنایا کریں۔“

”سچ تم نے کہہ دیا؟“

”بالکل کیوں نہ کہتے۔ ہم آپ کی طرح بزدل تھوڑی ہیں اور گلی لٹٹی رکھنے کی ہمیں عادت نہیں ہے۔ میں نے تو یہ بھی کہا کہ سارا مسئلہ نانامیاں کے صاحب ثروت ہونے کا ہے۔ وہ بڑے زور و شور سے اپنا کارنامہ بیان کر رہی تھی۔“

”ان کی اولاد آج جس مقام پر ہے محنت اور

جدوجہد کے نتیجے میں اور جس قدر سائی، بردباری اور انگاری ان سب کے مزاج میں ہے اسے آپ لوگ ہضم نہیں کر پاتے۔ یہاں تو یہ عالم ہے ذرا زمین سے اونچے ہوئے اور ڈھول تاشے آسمان تک پہنچنے لگے، صاف پتا چل جاتا ہے سیر کی ہڈیاں میں سوا سیر ہو گیا۔ تو ایسے میں ان کے وسیع ظرف دریا دلی ساہ مزاجی رواداری اور درگزر تو آپ کے لئے ازیت رساں نہیں گئے ہی۔ خواجوا کی جلن اور حسد ہوتا ہے جو انسان سے اس قسم کی عیب جوئی بے جا تنقید، خواجوا کے اعتراض کرا رہا ہے۔

”وہ بولیں نہیں کچھ۔“ شازیہ بھالی کی دلچسپی کا کیا پوچھنا۔

”ایسا دسیا یوں لگا جیسے کسی نے قلیتہ دکھایا پھر جو بجی ہیں تو بس مزاجی آگیا۔ تب ہی تو مجھے سارے قصے کا پتا چلا۔“

”کون سے قصے کا؟“

”یہی ماموں بدر مرحوم اور وہ کون خاتون تھیں۔ سابقہ منگیت جو ہماری مائی نہ بن پائی۔ تالی اور شاہد کو تو ضرور بتاؤں گی میں یہ بات ذرا اہم بھی تو درشن کریں اس تاریخی ہستی کے۔“

”نہیں تانبہ سے کچھ مت کہنا۔“

”کیوں؟“ بے حد سنجیدہ لہجے پر رضوانہ نے چونک کر انہیں دیکھا۔

”بس میں کہہ رہی ہوں نا۔ اور پھوپھی حمیرا نے یہ نہیں بتایا۔ کہ اب ان کے درشن نہیں ہو سکتے۔ وہ بھی مرحومہ ہو چکی ہیں۔“

”اوہ؟ نہیں وہ تو اس قدر شاندار طریقے پر مگر جی بری ہیں کہ بس پھر ہم سب کان دیا کرتے رہے۔ سوال جواب کی نوبت ہی نہیں آئی۔ انہوں نے سب کو ادھیڑ کر رکھ دیا۔ کہ تمہارے ابا جی کے اس ارفع و اعلیٰ خاندانی دسوں انگلیاں دس چراغ قسم کے صاحب زادے تمہارے چھوٹے ماموں میاں بدر کو لڑکی دینے سے انکار کر دیا تھا تمہاری اماں کے ان ہی دو خیال والوں نے اور پھر سارے وسیع ظرف، دریا دلی اور رواداری، دھری رہ گئی۔ جس طرح کہ تمہارے ماما

میاں (ابا جی) نے تمام تعلقات یکسر ختم کئے ہیں۔ کیا رشتے بناتے نسبتیں ٹوٹی نہیں ہیں؟ مگر یوں کہنے قلیتہ کوئی نہیں کرنا کہ شادی علی سب پر دووازے بند رہیں۔ یہ صرف تمہارے اس اعلیٰ خاندان میں ہی ہوتے دیکھا ہے ہم نے۔ اس کے بعد سے آج تک تو کوئی ایک دوسرے کی دلہیز پر چڑھا نہیں تھا۔ اب سنا ہے وجاہت میاں کو خوب سر آنکھوں پر بٹھایا جا رہا ہے۔ بہت تیز دوڑ رہی ہیں وہ شجاع کی دنگن۔ دیکھنا کیسی منہ کے بل گریں گی۔ ہم کیا جانتے نہیں ہیں کون سا ڈول وہ ڈال رہی ہیں۔“ رضوانہ کو دوسروں کی نقل اتارنے میں ملکہ حاصل تھا۔

”بہت خوب ساری آگ تو ان ہی کی لگائی ہوئی تھی۔ اب تو مجھے بھی ضد آگئی۔ پہلے تو وہن میں ایسا کوئی خیال نہیں تھا۔ لیکن اب میں انہیں وہی کر کے دکھاؤں گی۔ جو وہ سوچ سوچ کر تملارہی ہیں۔ اور وہ بھی اس طرح کہ ان کے تصور میں بھی تھیں آسکے گا۔“ شازیہ بھالی بری طرح بھڑکی تھیں۔

”ہائیں آئیہ کیسا چلنچ ہے؟ کیا بات ہوئی بھلا؟“

”وہی چچا بدر کی نسبت جو ختم ہوئی تھی۔ ان ہی لوگوں کا شاخسانہ تھا۔ زبردست دلچسپی بھی پھوپھی حمیرا کی چچا بدر میں۔ پوری کوشش کر لی تھی مگر وہ تو کمو نصیب میں ہی نہیں تھا۔ اور پھر خود چچا بدر نے ہی انکار کر دیا تھا۔ وہ تو شادی ہی کرنے کو آمادہ نہیں تھے۔ بہت عرصے بعد وہ بھی اماں جان کی زبردستی سے رضامند ہوئے تھے۔“

”چچا وہ بات تو وہیں رہ گئی۔ آپ نے بتایا نہیں کہ یہ وجاہت علی رضا کی آپ سے کیا عزیزی ہے؟“

”مجھ سے؟“ وہ ہنس۔ ”رشتے داری سے زیادہ دوستی ہے۔ وجاہت کی والدہ شادی ہو کر ہمارے ہی محلے میں آباد ہوئیں۔ اس طرح رشتے داری پر بڑوس غالب آگیا۔ میں سارا سارا دن ان کے گھر میں کھسی رہتی۔ وہ مجھے بہت اچھی لگتی تھیں۔ بہت محبت کرنے والی عورت تھیں۔ بچپن شجاعت اور عروسہ کے ساتھ کھیل کر بلکہ ان دونوں کو کھلا کھلا کر گزارا۔ شجاعت بھی مجھ سے کافی چھوٹے اور شروع سے مزاج

"ارے بھائی۔ تم میری بیوی کو بھی مت شامل کرو مگر بارہ سے ایک بھی زیادہ نہیں۔"

"اے رب فوج لال! تو دیکھ رہا ہے۔ یہ ساڑھے باون ہزار روپے ماہانہ کی خالصتاً ذاتی آمدنی رکھنے والا شخص بارہ ٹکٹ سے زیادہ انورڈ نہیں کر سکتا۔ کس قدر زیادتی کی بات ہے۔"

انتظار کی اس فریاد پر تمام لوگ قہقہہ مار کر ہنس پڑے۔

"میاں! آندر تو آئے۔ کب تک محو حیرت بنے رہیں گے؟"

وہ جو کوئی بھی تھے یقیناً "بہت مقبول اور ہر بل عزیز بھی تھے۔ یوں بلا تکلف غالباً پنجاب تک لے کر جھپکے۔ پھر تیزی سے ان ہی کی سمت بڑھ گئے۔

"مجھے وجاہت علی رضا کہتے ہیں۔" انہوں نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

"اچھا آپ ہیں وجاہت علی رضا!" وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"میں شجاع الدین احمد ہوں۔ مزید تعارف کی ضرورت تو نہیں؟" بڑی گہری متحسّس نظروں سے سر سے پیر تک جائزہ لیا تھا۔

"بالکل نہیں۔ مجھے بے حد اشتیاق تھا آپ سے ملنے کا۔ آپ کو دیکھنے کا۔ میری آپلی واقعی خوش نصیب ہیں۔" وجاہت ایک دم بغل گیر ہو گئے۔ شجاع ہنس پڑے۔

"بہت خوب۔ خاصاً قد کاٹھ نکال لیا ہے۔ میرے ذہن میں تو وہی بچپن کا دیلا پتلا شرمیلا شرمیلا سا بھیک بھیک گلابی رنگت والا لڑکا محفوظ تھا۔ جو کسی بات پر جھمکتا تھا تو بالکل سرخ پڑ جایا کرتا تھا۔" انہوں نے شانے پر ہتھکی دی۔

وجاہت بری طرح خجل ہوئے اور حسب سابق ان کا دم بدم سرخ پڑتا چہرہ دیکھ کر سب ہنس پڑے۔

"واہ شجاع بھائی! انھوں میں تمام مراحل طے ہو گئے۔ بھلا کس جنم کی واقفیت ہے یہ؟" انوری کے چہرے پر استغاب دوڑ گیا۔

"شاید جنم جنم کی۔" شیراز بولے۔

کے تیز ہیں اور عروسہ بہت کم گو۔ سو میری دوستی وجو کے ساتھ زیادہ رہی۔ حالانکہ ہماری عمروں میں تو بہت فرق ہے۔ وجاہت بچپن ہی سے اپنی ساری باتیں مجھ سے آن کر کہا کرتے۔ سارے قصے کہانیاں راستانیں مجھ ہی کو سناتے۔ پھر یہ لوگ مستقل چلے گئے۔ میری بھی شادی ہو گئی۔ مصروفیات بڑھتی چلی گئیں۔ یوں ایک طرح سے فراموش ہی کر چکی تھی میں بھی۔ مگر اب وجاہت کو دیکھ کر لگتا ہی نہیں ہے کہ یہ اتنے عرصے دور رہا ہے۔ "ان کی وضاحتی کجے میں بے پناہ چاہت اور اپنائیت تھی۔"

* ☆ * ☆ *

وجاہت کے قدم اونچے سہ درے کے درمیان ہی ٹھنک گئے۔ لاؤنج میں پیا شور قیامت تو باہر تک سنائی دے رہا تھا۔ مگر وہ جو اس سارے شور شرابے اور عذر کا مرکز اس ہنگامے کی وجہ بنے ہوئے تھے۔ بے حد خوب صورت وجہ۔ خوش باش خوش شکل اور ہنس کھ نظر آنے والی شخصیت وجاہت علی رضا کے لیے قطعی اجنبی تھے۔

"وہ آگے وجے بھی۔" رخشندہ نے نظر پڑتے ہی نعوں لگایا۔

"آؤ وجے! رک کیوں گئے؟" شاید بس لمحے بھر کو متوجہ ہوئے۔

"ہاں شجاع بھائی! ہماری نفی پوری ہو چکی۔ بس نکالے جلدی سے۔ بنگ آج ہی ہوگی۔"

"یار! یہ زیادتی ہے۔ چندہ کیوں نہیں کرتے تم لوگ؟"

"ہرگز نہیں۔ پھر آپ کے توں بغیر کسی اطلاع کے آنے کا نائدہ کیا ہے۔" وہ سب بیک وقت چلائے۔

"مگر یہ جرمانہ بہت زیادہ ہے۔"

"آپ کے لیے کوئی زیادہ نہیں ہے۔ تاویلیں مت کریں۔" شیراز نے آرام سے کہا۔

"میں صرف بارہ ٹکٹ انورڈ کر سکتا ہوں۔ باقی کا فیصلہ تم لوگ خود کر لو۔"

"مگر ان بارہ میں آپ کے بچے شامل نہیں ہوں گے۔" رضوانہ فوراً بولی۔

”اب تو مجھے بھی یہی محسوس ہو رہا ہے۔ ویسے پچھلے جنم میں تھوڑی بہت واقفیت رہ چکی ہے ہماری کیوں وجاہت اور اب تو ہماری بیگم نے کچھ اس قدر زور و شور سے اور بے تحاشا قسم کے تذکرے کئے اپنے ہر خط میں کہ مارے اشتیاق کے میں اپنی پہلی فرصت میں لاڑا آتا۔“

”تو یہ تذکرے کچھ ایسے بے جا بھی نہیں تھے سرکار۔“ شازیہ بھالی سامنے آگئیں۔
”یہ تو اب پتا چلے گا۔ آپ سچ سچ خن فہم ہیں یا غالب کی طرفدار۔“

افتخار کی برجستگی پر وجاہت بھی بے اختیار ہنس پڑے۔

”ہاں شجاع بھائی! نکالے ٹکٹوں کی قیمت۔“ شاید کسی طور جاں بخشی کو تیار نہیں تھے۔ پتہ نہیں اتنی دیر بھی کیسے صبر کر لیا۔

”آخر یہ کس چیز کے ٹکٹ ہیں جو یوں سود خوروں کی طرح بے زور قوت حاصل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔“ وجاہت نے شاید کی طرف دیکھا۔

”جرمن انکروڈیشن کا طائفہ ہمارے شہر میں آیا ہوا ہے بھائی۔ کس قدر بے خبر ہیں آپ۔“ سجاد نے افسوس ظاہر کیا۔

”ارے؟ تو یہ سرکس دیکھنے کے لیے اس قدر ہنگامہ آرائی کی جا رہی ہے۔ بالکل بچوں کی طرح۔“ وہ کچھ اور بھی حیرتوں میں ڈوب گئے۔

”وجے! آپ نے آج پھر ہمارے ایک اصول سے انحراف کرتے ہوئے اعتراض اٹھایا ہے۔ پھر کیوں نہ آپ کو سزا دی جائے؟“

رضانے فوراً ”اٹھارہ جوتہ کانٹولس جاری کیا۔“

”مسوری۔ میں معذرت خواہ ہوں اور ہر سزا کے لیے تیار بھی!“ انہوں نے اعتراف جرم کے ساتھ معافی نامہ بھی پیش کر دیا۔

”سزا نہیں دی جائے گی۔“ شجاع بھائی نے شاید کے مزید کچھ بولنے سے پہلے ہی بات کاٹ دی۔
”سپریم کورٹ اپیل سے پہلے کوئی فیصلہ دینے کی مجاز نہیں ہے۔“ شاید نے احتجاج کیا۔

”تمام کارروائی سپریم کورٹ کے احاطہ کار میں ہوئی ہے لہذا سپریم کورٹ کے اختیار میں اور پھولی موٹی عدالت کے دائرہ اختیار سے باہر ہے!“ شجاع بھائی نے اعتراض خارج کر دیا۔

”اچھا آپ ٹکٹ کے پیسے دیجئے۔“ شاید فوراً عدالت کی کرسی سے اتر کر سوال بدست ہو گئے۔
وجاہت بے ساختہ ہنس پڑے۔

”کیا ہوا؟“ توری نے حیرت سے دیکھا۔
”کچھ نہیں۔“
”پھر آپ ہنسے کیوں؟“

”ہاں، مقام تو غالباً“ رونے کا ہے۔“ ان کے لمبے میں بدستور شرارت سائی ہوئی تھی۔
”ہنگامہ کے لیے کون کون چل رہا ہے۔“

توری کے جواب سے بلل شاید کی بلند آواز نے وجاہت کو متوجہ کر لیا۔ وہ غالباً ”پیسے وصول کر لینے میں کامیاب ہو گئے تھے۔“

”سب۔“ تمام لوگ بلا توقف اٹھ کھڑے ہوئے۔
”آپ نہیں چلیں گے کامریڈ۔“ وجاہت کو اسی طرح پیٹھ دیکھ کر شیراز کو تشویش ہوئی۔

”نہیں یہ شام زیادہ بہتر لوگوں کی صحبت میں گزارنا چاہتا ہوں۔“

”اس تو بہن کا جواب واپس آکر طلب کیا جائے گا۔“ شاید نے گھور کر وجاہت کے متبسم چہرے کو دیکھا۔

”ہرگز نہیں۔ سپریم کورٹ کے حکم پر عمل در آمد ہو رہا ہے۔ آپ کسی جواب طلبی کا استحقاق نہیں رکھتے۔“ شجاع بھائی نے فوراً ”مداخلت کی۔“

”سپریم کورٹ جانبدار ہو گئی ہے۔ انصاف متاثر ہو رہا ہے۔ ہم واپس آکر اپیل دائر کر س گے۔“ افتخار نے جاتے جاتے اپنے ارادوں سے باخبر کیا۔

”ہاں بھئی۔ اب سنائے آپ والد صاحب کہاں ہیں آج کل۔“ شجاع بھائی کچھ اور کھل کر بیٹھے ہوئے وجاہت سے مخاطب ہوئے۔

”دو ہیں پیرس میں ہیں۔“ وہ ایک دم سنجیدہ ہو گئے۔
”اور شجاعت؟“

”وہ کیسز۔“ میں ہیں۔

”کر کیا رہے ہیں؟“

”کیسینو چلا رہے ہیں ایک عدد سب کلب۔“ لہجے میں کچھ عجیب سی ہنسی تھی۔ شجاع نے شکل دیکھی۔ اور فوراً موضوع تبدیل کر دیا۔

اور پھر اس رات شازیہ بھالی نے انہیں وجاہت علی رضا کی زندگی کے تمام گرداب، سارے خواب اور عذاب دکھا دیئے۔

”سارا جھگڑا اسی کیسینو کی خریداری کا تھا۔ آپ جانتے ہیں جو علی رضا صاحب کا حال ہے۔ صاحب زادے بھی اسی راہ پر چل پڑے۔ میں تو حیران ہوں۔ یہ وجہ اس قدر مختلف کیسے ہو گیا۔“

”یہ اپنے باپ سے ضرور مختلف ہے لیکن مجھے یاد ہے شازیہ رومسہ پنچو بالکل ایسی ہی تھیں۔ ابھی جب میں وجاہت سے باتیں کر رہا تھا تو مجھے وہ بے تحاشا یاد آئیں۔ یہ بالکل ان ہی کی طرح مسکراتا ہے۔“

”جی، وہی مہمروت اور تسلیم و رضا اس کی طبیعت میں بھی ہے۔ اور یہ سارے عذاب اس حساس طبیعت ہی کے ہیں۔“ شازیہ بھابھی نے گہرا سانس لیا۔

”یہ شجاعت کا کیا قصہ ہے؟ کیا سچ قتل و قتل ہی کا کوئی چکر ہے؟“

”واللہ اعلم۔ وجہ جو کچھ بتا رہے ہیں۔ اس سے تو یہی گماں ہوتا ہے۔ ڈیڑھ دو ہفتے سے چیخ و رور تھی۔ شجاعت زبردستی اپارٹمنٹ لے کر الگ ہوئے تھے کہہ رہے تھے۔ ممانعت پریشان تھیں۔ اور بھالی بھی الگ رہنا نہیں چاہ رہی تھیں۔ عروہ تمام وقت ماما کے گلے کا پار بنی رہتی تھی۔ شجاعت کو پیسوں کی ضرورت تھی اسی کیسینو کے چکر میں باوا جان کو تو اپنے باپ کے انتقال کے بعد ترکہ ملا تھا۔ بیٹے نے اس کا بھی انتظار نہیں کیا۔ حیات میں ہی اور ہم چاکر لڑ جھگڑ کر تقسیم کرالی۔ وجاہت عروسہ یا ماما تو اختیار تھا نہیں کہ کوئی مطالبہ کرتے بیوی پر مسلسل دباؤ ڈال رہے تھے۔ کہ پاکستان میں جو تمہارا

حصہ ہے اسے فروخت کر کے میرے یہاں منتقل کراؤ۔ جانتے تھے کہ دادا جان (حلی رضا کے والد) نے تقسیم کے وقت خاصی بڑی جائیداد پوتی (عافیہ) کے نام براہ راست منتقل کی ہے۔ اس کے اور بچوں کے مستقبل کی ضمانت کے طور پر۔ ایک دن پہلے بھی ماما سے خوب تیزم تازی ہوئی تھی۔ اسی ہنگامے میں ان کے علم میں آیا کہ عافیہ نے سب کچھ عروہ کے نام کر دیا ہے۔ وہ بالکل ہی آپے سے باہر ہو گئے۔ اس وقت تو بڑے غصے میں بیوی اور بچی کو لے کر چلے گئے تھے۔ گھر جا کر پتا نہیں کیا کچھ ہوا ہو گا۔ دوسرے دن صبح خود ہی عروہ کو ماما کے پاس چھوڑنے کے لیے آئے۔ ماما نے پوچھا بھی کہ عافیہ کیوں نہیں آئی۔ مگر انہوں نے صبح طریت سے جواب ہی نہیں دیا۔ وجاہت کا کہنا ہے۔ میں کالج سے واپسی پر بھالی کی طرف سے چکر لگا کر آتا تھا۔ اس روز بھی حسب معمول ادھر ہی گیا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ میں نے بہت دیر تیل بجالی۔ دروازہ پھینکا رہا۔ جب جواب نہیں ملا تو پڑوس کی تیل بجالی۔ ان لوگوں کو بھی غیر معمولی صورت حال کا اندازہ ہوا۔ ایمر جنسی اسکاؤڈ کو پیل فون کیا گیا۔ بڑی مشکلوں سے اپارٹمنٹ تک پہنچنے میں کامیابی ہوئی۔ بھابھی بیڈروم میں بجائے بیڈ کے قالین پر بڑی ہوئی ملیں اور موت کو دو تین گھنٹے سے زیادہ گزر چکے تھے۔ ظاہری بات ہے۔ فوراً ہی کیس رجسٹر ہو گیا۔ شجاعت اس وقت شر سے باہر تھے۔ اور عافیہ بالکل تنہا۔ اب یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ خود کشی کی یا قتل کیا گیا۔ پوسٹ مارم کی رپورٹ میں معدے کے اندر خاصی مقدار میں اسپرین کی موجودگی بھی ظاہر ہوئی اور جسم پر خواب آور دوا کے گہرے اثرات پائے گئے۔ چہرے اور جسم پر تشدد کے آثار بھی تھے۔ تھکانی مکر میں چوپچی ہوئی کافی تھی اس میں خواب آور دوا کی آمیزش تھی۔

پولیس نے واپس لوٹتے ہی شجاعت کو حراست میں لے لیا۔ انہوں نے شے میں پورے گھر کو ملوث کر دیا۔ اور خاص طور پر وجاہت کو۔ یہ گرفتاری سے تونج گئے۔ مگر پابند کر دیے گئے۔

علی رضا صاحب اس وقت بھی پیرس میں تھے۔

انہوں نے کینسر پہنچ کر بھاگ دوڑ کی۔ تب کہیں جا کر شجاعت کی ضمانت ہوئی۔ انہوں نے اپنی عدم موجودگی کے سلسلے میں کالی گواہیاں پیش کر دیں۔ وہ صبح سے شہر سے باہر تھے۔ اور جن لوگوں کے ساتھ تھے وہ اچھے لوگ نہ ہوتے ہوئے بھی بہر حال ان کا حلقہ احباب تھا۔ ان لوگوں نے بھرپور معاونت کی۔ خاصاً لیا مقدمہ چلا۔ عدم ثبوت کی بنا پر شجاعت بھی بری ہو گئے۔ اور کسی کو بھی سزا نہ ہو سکی۔ لیکن بدنامی اور پریشانی دونوں ہی مقدور بنی۔ بقول وجاہت، ”مما کو یہی صدمہ لے بیٹھا۔“

مقدمے وغیرہ کے چکر کی وجہ سے اس وقت تو شجاعت عروہ سے بالکل ہی لا تعلق ہو گئے تھے۔ مگر جب مقدمہ ختم ہوا تو پھر بنی کا دھیان آیا۔ مگر ممانے پتہ نہیں کیا دھمکی استعمال کی جو وہ اسے لے جانے کی جرات نہ کر سکے۔ بلکہ پلٹ کر دیکھا ہی نہیں ہے۔

ممانے کے جگر میں کینسر ہو گیا تھا۔ اس نذران تیزی سے بڑھتا چلا گیا۔ سارے علاج سب کوششیں بے کار گئیں۔ آخری اسٹیج میں جب وہ اسپتال میں تھے تب وجاہت سے اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا کہ عروہ سے ہمیشہ قریب رہنا۔ کبھی الگ یا لا تعلق نہ ہونا۔ اپنی بھالی سے کئے ہوئے وعدے کا پاس ضرور کرنا۔ میں چاہتی ہوں وہ ہمیشہ سکھی اور خوش و خرم رہے۔ وجاہت کا کہنا ہے کہ بھالی اکثر مجھ سے کہتی رہتی تھیں۔

”وہو! مجھے لگتا ہے۔ شجاعت کے نزدیک رشتوں کی اہمیت بالکل ختم ہو چکی ہے۔ ان کے لیے پیسہ ہی سب کچھ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ عروہ کے لیے بھی ان کے دل میں کوئی جذبہ کوئی احساس موجود نہیں ہے۔“ آخر میں تو ان کے اندر یہ ہراس اتنا بڑھ گیا تھا کہ ایک مرتبہ میرا ہاتھ تھام کر بیٹھ گئی تھیں۔

”مجھ سے وعدہ کرو وجاہت! میری بچی کو کبھی تنہا نہیں ہونے دو گے۔ اسے اکیلا نہیں چھوڑو گے۔“ اور میں نے اقرار کیا تھا۔ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ کتنی ہی مشکلات کا سامنا ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ میں عروہ کی پناہ اس کا سائباں اس کا تحفظ بتا رہی ہوں گا۔“

سو وہ اپنا عہد نبھا رہے ہیں۔ دلی پھپھو کے انتقال کے بعد عروہ کو لے کر پاکستان آ گئے تھے۔ اتنے عرصے امن رہا اب پتہ نہیں کہس نے انہیں خبر پتہ چادی کہ عروہ وجاہت کے ساتھ نہیں۔ اپنی تنہالی میں ہے۔ اب وہاں سے دھمکی آمیز خطوط پہنچ رہے ہیں۔ پچھلے دنوں سخت پریشان رہا ہے بے چارہ کس قدر تنہا اور اکیلا محسوس کرنے لگا ہے خود کو سچ شجاع! کبھی کبھی تو بے انتہار حرم آنے لگتا ہے مجھے اس غریب پر۔“

”اچھا؟“ وہ فس پڑے۔ ”اب ذرا مجھے غریب پر بھی کچھ ترس کھاؤ۔ رات کے دو بجادیتے۔ اور یہ شیطان کا قبیلہ صبح سویرے جاگ کر طوفان اٹھا دے گا۔ کل فارمز کا چکر لگانا ہے مجھے۔“

”آپ کو چکر لگانا ہے نا۔ شیطان کا قبیلہ کیوں طوفان اٹھائے گا۔“

”یہ سب میرے ساتھ جارہے ہیں۔“ ”ہائے سچ“ آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ ہم سب بھی ملتے۔ اچھی خاصی کٹنگ ہو جاتی۔“

”جیس۔ موسم بہت خراب ہے۔ اور پھر آج کل خواتین کو لے جانا کچھ مناسب بھی نہیں ہے۔ وہ لیتن صاحب تو ان لوگوں کے جانے پر بھی سخت خفا ہیں۔ موجودہ حالات ان لوگوں کی غیر ذمہ دارانہ طبیعت اور لا ابا لی حرکتوں پر یہ لبا لیکر دیا ہے مجھے۔“ ان کے ساتھ شازیہ بھابھی بھی فس دیں۔

* ☆ *

”آپ مجھے صرف یہ بتائیے کہ آپ میری اس سلسلے میں کیا مدد کر سکتی ہیں اور کس حد تک؟“ ”میں کیا مدد کر سکوں گی۔ تم خود ہی سوچو۔ بڑی غلط خواہش کر بیٹھے ہو وجاہت علی رضا، وہ اس خاندان میں لڑکی نہیں دیں گے۔“

”مگر کیوں؟ میں کوئی سرخوئی کا تاج سر پر رکھ کر تو اس دہلیز پر نہیں جا رہا۔ احساسِ ندامت سننے پچھلے کہہ اور اپنے ناکرہ گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لیے معذرتوں کا خواستگار بن کر سر تسلیم جھکانا چاہتا ہوں۔ اور میں جانتا ہوں۔ وہ وسیع ظرف کے مالک، کھلے دل کے لوگ ہیں جو قدم بوس ہونے والوں کو گلے لگا لیتے

ہیں۔“ اتنے وثوق سے مت کہو وجاہت! بعض

اندازے بڑے غلط ثابت ہوتے ہیں۔“

”یہ اندازہ نہیں۔ میرا مشاہدہ میرا تجربہ ہے عروسہ آپا میں نے پچھلا اک عرصہ ان سب کی رفاقت میں گزارا ہے۔ شازیہ آپا اس گھر کی بہو ہیں۔ وہ بہت سادہ دل، خوش باش ایک دوسرے سے گہری وابستگی رکھنے والے نرم خو، مہذب لوگ ہیں۔ مخلص، بے ضرر، بے لوث اور بے غرض اور میں ان کی پناہ میں جانا چاہتا ہوں۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وہ قربتیں حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ جو میری آئندہ زندگی میں عروبہ کے مستقبل کے لیے تحفظ بن سکیں۔ ایک ایسی شریک حیات جو صرف میری ذات کو اپنی ملکیت نہ سمجھے۔ بلکہ میرے تمام متعلقین، مجھ سے وابستہ ہر فرد سے اتنی ہی محبت کرے۔ اتنا ہی عزیز رکھے، اتنا ہی چاہے جتنا میں انہیں چاہتا ہوں۔ اس منافع اور کینہ پرور دنیا میں وہ بے ریا لوگ ایک نعمت ہیں۔ جو میرے قدموں تلے زمین اور میرے سر کے لیے آسمان بن سکتے ہیں۔“

”بے شک وجوہ! مگر تم بھول رہے ہو۔ وہ در تمہارے لیے نہیں کھل سکتے۔ یہ وہی لوگ ہیں جو ایک بار ہمارے بزرگوں کی دہلیز سے بے نیل و مرام لوٹائے جا چکے ہیں بلکہ ٹھکرائے جا چکے ہیں۔ کیا وہ اپنی بے عزتی، فراموش کر سکیں گے؟ تمہیں وہ اپنے ڈرائنگ روم میں تو برداشت کر لیں گے، لیکن تمہیں اپنی شناخت نہیں بننے دیں گے۔“

”مگر وجوہ! تمہارا یہ دست سوال انہیں بھڑکا بھی سکتا ہے۔ ایک مدت سے دلی ہوئی چنگاریاں پھر آگ پکڑ لیں گی۔ تم نہیں جانتے خاندانوں کی سیاست کیا ہوتی ہے۔ پھر تم یہ عارضی رفاقتیں بھی کھو دو گے۔ اور تم وہاں اپنے وطن میں ایک مہمل خاندان اور بھرپور پس منظر کے ساتھ رہنا چاہتے ہو۔ ایسے خواب مت دیکھو جو تمہیں ہمیشہ کے لیے بے سکون کر دیں۔“

”میرا ساتھ نہیں دے سکتیں تو مجھے یوں بے

حوصلہ تو نہ کریں عروسہ آپا! کیا میں سمجھ لوں آپ بھی بھائی جان کے انداز میں سوچنے لگی ہیں؟ دوسرے کے لئے اس قدر اجنبی اتنے بگاڑے ہوئے ہیں۔ کیا

ہمارے دلوں کے سارے راتیلے کٹ چکے ہیں۔؟“

”نہیں وجوہ اتنے بے رحم مت بنو۔ مت شک کرو میری نیت پر۔“ سسکتی ہوئی آواز کی تڑپ نے وجاہت کو اپنے جملوں کی سنگینی کا احساس دلایا۔

”بھئی! تم مجھے بہت عزیز ہو۔ تمہاری محرومیاں اور تمہاری کامرانیاں مجھ سے کب جدا ہوئی ہیں؟ مجھے تم سے ہمدردی ہے وجوہ آرزو دل میں رہے تو پشیمان نہیں ہوتی۔ زبان پر آجائے تو حسرت بن جاتی ہے۔ اتنا ضبط، حوصلہ اور ظرف کہاں سے لاؤ گے میرے بھائی! ہم بڑے اٹھلے لوگ ہیں۔ اتنی سہلی نہیں رکھتے کہ مجبور یوں سے سمجھوتے کر سکیں۔“

”مگر ہم مجبور یوں سے سمجھوتے کیوں کریں جب کہ مجبوریاں بھی ہماری خود ساختہ، اپنی تخلیق کردہ ہوں۔“ وہ ایک دم ضدی ہو گئے۔

”نہیں تمہاری خاطر وہ سب کرنے کو تیار ہوں جس کی تم خواہش کرو، لیکن سوچو، دادی اماں اور تایا جی کی موجودگی میں میری کیا حیثیت ہے؟ میں وہاں چلی بھی جاؤں تو وہ میری بات کو کس حد تک اہمیت دیں گے؟ یہی خود ساختہ، اپنی تخلیق کردہ مجبوریاں تو ہمارے پاؤں کی بیڑیاں ہیں وجاہت علی رضا! تم ان سے سمجھو تا کرنا نہیں چاہتے۔ وہاں سے ہونے والا انکار قبول کر لو گے، برداشت کر سکو گے، وہ جو یقیناً ان کی مجبوری ہو گا۔“

”مگر وہ مجبوری کیوں ہو گا؟ اس سارے قصے میں دادی اماں اور تایا جی کا کیا دخل تھا؟ وہ تو آج بھی سراٹھا کر اس در تک جا سکتے ہیں۔ اور جو قصور وار تھے، وہ اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ کیا اب بھی معافی اور تلاقی کے در نہیں کھل سکتے؟“

”ٹھیک ہے وجوہ! شازیہ آپا کا نمبر مجھے دو، اور تم دادی اماں اور مائی اماں کو رضامند کرو۔ میں ڈیڑھ دو مہینے میں پاکستان پہنچنے کی کوشش کرتی ہوں۔ خدا تمہیں سرخ رو اور سر بلند رکھے۔ کامیابی اور کامرانی تمہارا مقدر رہے۔“

سرخو ہونے کی کوشش کر رہی ہو۔ کیا علی رضا تمہاری اولاد نہیں ہے؟

”بلاشبہ وہ میری سنگی اولاد ہے بھالی۔ مگر میں خدا لگتی کہوں گی۔ رومیسہ کے لیے میں خود آٹھ آٹھ آنسو روتی ہوں ہر چند کہ وہ میری اولاد نہ تھی اور علی رضا میرا اپنا خون ہے۔ لیکن میں جانتی تھی۔ وہ اس بچی کے قابل نہیں ہے اسے کوئی سکھ نہیں دے گا۔ اور یہاں پدر کے مقابل تو وہ سچ سچ ان کے پیروں کی خاک بھی نہیں ہے۔ اور ہوا بھی یہی۔ اس نے ساری زندگی رومیسہ کو شک کی صلیب بر لٹکائے رکھا۔ طعنوں سے اس کا کلیجہ پھلنی کر دیا مگر شاپاش ہے اس صابر پر کہ منہ سے اف تک نہیں کی۔ قیصر جہاں نے صرف اپنی ضد کے پیچھے ہیرا جیسی لڑکی کو خاک میں ملا دیا قیصر نے اس کا مقدر پھوڑ دیا میرے منہ پر چپ کی مہر لگا دی گئی تھی کہ یہ بہن بھائیوں کا معاملہ ہے جس میں میری دخل اندازی کی کوئی ضرورت تھی اور نہ گنجائش۔“

ان کے دل گیر لہجے میں ملال ابھر آیا۔

یہی ملال تو پدر کو لے ڈوبا۔ اسے صرف اسی بات کا صدمہ تھا۔ کہ چچی قیصر نے اگر مجھے رو کیا تھا تو کوئی ڈھنگ کا لڑکا دیکھا ہوتا۔ جو رومیسہ کے قابل ہوتا۔ اس کا قدر داں ہوتا۔ اسے خود سے زیادہ رومیسہ کی بربادی کا غم کھا گیا! ”انہوں نے گہرا ٹھنڈا سانس لیا۔“ سچ کہہ رہی ہیں۔ آپ میں اپنے زخم کس کو دکھاؤں؟ کوئی مجھ سے بھی تو پوچھے مجھ پر کیا گزر گئی۔ قیصر جہاں کی ہٹ دھرمی نے میری اپنی اولاد کو میرے مقابل لا کھڑا کیا۔ رضا حسین ہمارے میاں تو ان کے سکے بھائی تھے اور علی رضا بھتیجے۔ ان کے نزدیک میرا کوئی حق، کوئی اختیار نہیں تھا۔ اس وقت نہ تو میں رضا حسین کی بیوی تھی اور نہ علی رضا کی ماں۔“ ان کے تو جیسے تمام زخموں کے ٹانگے کھل گئے تھے۔

”یہ بیٹھے ہیں حسن رضا ذرا پوچھے کیا کچھ میں نے نہیں سنا اس وقت مگر پھر بھی مقدور بھر مخالفت کی کوشش ضرور کی۔ مجھے اس بچی سے ہمدردی تھی اور علی رضا کو باپ کی شہہ اور چم پوٹی نے ان مدوں

وجاہت علی رضا نے ”الشجاع“ کا فون نمبر لکھوا کر ریور کرڈل پر رکھتے ہوئے گہرا طویل سانس لیا۔ ”مجھے معاف کر دیجئے گا عروس آپا۔ ہم سب غرض کے بندے ہیں۔ میں جانتا ہوں اس وقت میں نے آپ کو بہت دل گیر بہت شکستہ کیا ہے۔ خدا کی قسم آپا۔ یہ ان دیکھے آنسو میرے دل پر گرے ہیں۔ مگر میں مجبور ہوں۔ نادانستگی کا مجرم جس کی زبان نہ چاہتے ہوئے بھی بعض اوقات زہر آلود ہو جاتی ہے۔ ظالم بن جاتی ہے۔“ وہ خود بھی دل گرفتہ ہو گئے۔

--*

”نہیں تو قیر جہاں! یہ ناممکن ہے تم بھول گئیں۔ وجاہت رومیسہ کی اولاد قیصر جہاں کے نواسے ہیں اور تابندہ بدر الدین کی بیٹی ہے۔ پیغام لانے سے پہلے سوچ تو لیتیں۔“ آہیں خدشہ تو تھا لیکن اس قدر روکھے انداز میں یوں نکلا تو جواب ملے گا۔ یہ تو قیصر بہر حال نہیں تھی ایک لمحے کو وہ بالکل چپ رہ گئیں۔ ”وجاہت صرف قیصر جہاں کے نواسے ہی تو نہیں۔“ انہوں نے پھر حوصلہ کیا۔

”بس تو قیر جہاں! یہ بات تم مجھ سے نہ کہنا۔ میرا بچہ اس دنیا میں نہیں ہے۔ لیکن اس کی جوان موت آج بھی میرے کلیجے کا ناسور بنی ہوئی ہے۔“ ”خیر۔ موت اور زندگی تو اس قادر مطلق کے ہاتھ میں ہے۔ اگر اسے زندہ رکھنا ہوتا تو پدر میاں کا ریتان اس طرح کیوں بگڑتا۔ نزاروں لوگ اس مرض میں مبتلا ہوتے ہیں اور بھلے چنگے ہو کر۔۔۔“

”بے شک یہ اختیار صرف اسی کا ہے۔“ انہوں نے پھر قطع کلامی کی۔ ”لیکن جو ناشادی اور نامرادی زبردستی اس کا مقدر بنائی گئی۔ اگر یوں اسے کھوکھلا نہ کرتی تو وہ کبھی زندگی سے اتنی جلدی نہ روٹھتا۔“

”درست کہہ رہی ہیں بھابی۔ مجھے احساس ہے مانتی ہوں وہ بہت بڑی زیادتی تھی۔ بخدا میں آج بھی بلا جھجک قسم اٹھانے کو تیار ہوں۔ میں ان فیصلوں کی شریک نہیں تھی۔ مجھ سے تو کوئی رائے مشورہ تک نہیں کیا گیا۔“

”بس رہنے دو تو قیر جہاں! آج تم میرے سامنے

چھوٹا خود ہماری بیٹی قمر نے شیراز کے لیے بہت زور لگایا۔ اب بھی بضد ہیں۔ مگر تمہارے بھائی راضی نہیں ہیں۔ اور بھی میرے اپنے گھر کے دوسرے بچے موجود ہیں۔“

”تم یہ بات نہ بھی کہتیں تب بھی مجھے اندازہ ہے بھائی! اس بچی کے لیے رشتوں کی کمی نہیں ہو سکتی۔ میں بھی تو دامن پھیلا کر آئی ہوں۔ بھائی راضی کو اپنی بیٹی رومیہ بہت عزیز تھی۔ اگر وہ زندہ ہوتی یا بھائی صفی الدین ہاتھ پھیلاتے جب بھی یہی جواب دیا جاتا۔“

”صفی اگر زندہ رہتے تو یہ صورت حال ہوتی کیوں؟ مجال تھی قیصر جہاں کی جویوں من مانی کر گزرتیں۔ یہ نسبت اتنی آسانی سے ٹوٹ سکتی تھی بھلا؟“

”چلیے رفت گزشتہ جو ہوا اس پر ہمارا اختیار نہیں تھا۔ رومی نے زندگی بھر کوئی شکوہ نہیں دیکھا۔ نہ شوہر کی طرف سے نہ اولاد کی طرف سے میرا یہ بچہ وجاہت بہت حساس ہے بھائی تم غور تو کرو اس سے مل کر تو دیکھو۔ تمہیں خود اندازہ ہو جائے گا۔ وہ بالکل رومیہ کی تصویر ہے۔ میں گواہ ہوں۔ یہ حسن رضا کی دلہن موجود ہیں بتائیں گی وہ تم لوگوں سے جدا ہو کر کس انتہوں سے گزری ہے۔ ماں کی نادانی اور غلط فیصلے کی سزا اس بچی نے بھگتی۔ میں نے اس کے ساتھ مل کر جو آنسو بہائے ہیں بھائی۔ یہ تو میں جانتی ہوں۔ اس کا دل کتنا زخمی تھا۔ آپ یہی سوچ کر وجاہت کو گلے لگالیں۔ رومیہ کی نشانی سمجھ کر قبول کر لیں۔ مجھے یقین ہے اگر بد ر میاں زندہ ہوتے تو میں کبھی ہرگز ناکام و نامراد نہ لوٹائی جاتی۔“

”تم کچھ بھی کہو تو قیصر جہاں! میرے دل سے بات نہیں نکل سکتی۔ میرے دونوں بچے شاہد اور تابندہ بھی تو بلا قصور، بلا وجہ محرومیوں کا شکار ہوئے۔ باپ مر کر جدا ہوا۔ ماں جیتے جی چھوٹ گئی۔“

”بے شک ان محرومیوں کا کوئی ازالہ نہیں کر سکتا۔ مگر بد ر کی دلہن کا دوسرا نکاح بھی تو آپ لوگوں کی رضا مندی سے ہوا تھا۔“

”ہاں۔ میں نے کب انکار کیا ہے؟ وہ چار سال کی

تک پہنچایا تھا۔ اس کی حرکتیں قیصر جہاں سے بھی ڈھکی چھپی تو نہیں تھیں۔ میں نے تو آخری کوشش کے طور پر یہ تجویز بھی رکھی کہ اگر کوئی ایسا ہے تو حسن سے کر لیں۔ کم از کم وہ غریب گھر کا سکھ تو دیکھ لے گی۔ اور جانتی ہو۔ اس کا جواب مجھے علی رضا کی زبان سے دلویا گیا۔ اس نے مجھ سے یہاں تک کہہ دیا کہ مجھے لگتا ہے اب میری ماں نہیں ہیں۔ آپ چاہتی ہی نہیں کہ میری کہیں ڈھنگ کی جگہ شادی ہو۔ میرے لیے لڑکی دیکھنے نکلتی ہیں اور جب کوئی اچھی لڑکی نظر آجائے تو فوراً ”خیال بدل دیتی ہیں۔ اس کی تو میں اپنے حسن رضا سے کر لوں۔ گویا میں آپ کا سوتیلا ہوں۔ اب جتنی چاہیں مخالفت کر لیں۔ یہ نسبت ہو کر رہے گی۔“

میں کیا بول سکتی تھی؟ کچھ کہنے کی گنجائش تھی میرے پاس؟ جانتی تھی اچھی طرح کہ اس زبان درازی اور شہ زوری کے پیچھے باپ اور بھوپتی کی حمایت بول رہی تھی۔ اندازہ کریں ذرا میری بے بسی کا۔ انہوں نے اپنا دل کھول کر رکھ دیا۔ آنسوؤں کی روانی صداقت کی دلیل تھی۔

”مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے تو قیصر جہاں۔ میں نے کب تمہیں الزام دیا۔ قصور وار ٹھہرایا گیا ہے مگر علی رضا کا بیٹا بد ر کا داماد نہیں بن سکتا۔“

”کیوں نہیں بن سکتا۔ اس کا کیا قصور ہے؟ بے شک وہ علی رضا کا بیٹا ہے۔ لیکن میرا پوتا بھی تو ہے۔ تمہارے سکے دیور بھائی رضی کے اپنے خون صفی الدین کا نواسا بھی تو ہے۔ غلطی قیصر جہاں نے کی تھی۔ سزا اس غریب کو کیوں ملے؟“

”بات سزا یا جزا کی نہیں ہے تو قیصر اور تابندہ کے لیے کوئی رشتوں کی کمی نہیں ہے۔ کبیر میاں نے اپنے بیٹے ہمایوں کا پیغام دیا تھا۔ دہلیز کی مٹی لے لی تھی۔ میری تو سو فیصد رائے اور مرضی تھی۔ وہ تو شجاع اور ان کی دلہن کے جی کو نہیں لگا۔ انہوں نے اپنے ابا جی سے جواب دلویا۔ لڑکا طبیعت کا، مزاج کا، تحمل و صورت کا، ہر طرح سے اچھا ہے۔ اب گھر کے گھر میں نسبت ہوئی ہے رفیع الدین کی بیٹی سے اس کو بھی

سے زخمی ہے۔ نکلے نکلے ہو چکا ہے۔“

* ☆ * ☆ *

”یہ ساتواں در ہے۔ کیا مجھے یہاں بھی امان نہیں ملے گی۔“ اس یا آواز بلند پکار پر گھاس پر بکھری کتابوں میں غرق شاید عارف شیراز اور افتخار نے بیک وقت پلٹ کر دیکھا۔

”ارے وجے؟ ان کو کیا ہوا۔“ شاید حیران ہو گئے۔ بکھرے بال، گرجان چاک، تھمبیا ہوا سرخ چہرہ اور مضطرب سرپا۔ وہ اس حال میں تو کبھی نظر نہ آئے تھے۔

”یہ اکیلے نہیں ہیں۔ چکر کیا ہے؟“ افتخار اور شاید لعلیت اٹھ کھڑے ہوئے۔ باہر ٹیکسی کا گریہ ادا کرتے ہوئے مسعود اور فرخ کو شیراز نے بھی دیکھ لیا تھا۔

”میں پناہ کی تلاش میں ہوں۔ یہ آخری در ہے۔ کیا تم مجھے پناہ دے سکو گے؟“

”ہاں۔ ہم تمہیں پناہ دے سکتے ہیں۔“ شاید بیک بیک بہت سنجیدہ اور معتبر سے نظر آنے لگے فرخ اور مسعود بھی اندر آ چکے تھے۔

”کیا تم مجھے پہچان سکتے ہو۔“

”ہاں میں تمہیں جانتا ہوں۔“

”جانتے ہو میں کون ہوں؟“ اس نے شاید کے شانے تمام لیے۔ شاید کو یوں لگا۔ کسی لوہار کی بھی سے نکلتے ہوئے شکنجوں نے جکڑ لیا ہو۔

”تم وہ جاہت علی رضا ہو۔“

”وہ جاہت علی رضا نہیں یہ میری شناخت نہیں ہے۔ یہ نام تو میری راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ جس نے مجھ پر زندگی کے تمام راستے بند کر دیئے ہیں۔ میں جینا چاہتا ہوں۔ سنا تم نے؟“ انہوں نے شاید کو بے طرح جھنجھوڑ دیا۔

جسم میں دکتے الاؤ کی تپش ان کے روئیں روئیں سے پھوٹ رہی تھی۔

”یہ کون حج رہا ہے؟“ غنیمت میں غلطان گزرا کو تھکتی ہوئی شازیہ بھالی نے چونک کر تائبندہ کو دیکھا۔

”میں اس نام سے اس پہچان سے پیچھا چھڑانا

بیاہی بیوہ ہوئی تھی، ہمیں کیا حق تھا کہ محرومیاں اس کا مقدر بناتے خوشیوں کے تمام در اس پر بند کر دیتے۔“

بٹا ہمارا ختم ہوا تھا۔ اس کی جواہی تو مٹی ہونے کے لیے نہیں تھی۔ اب یہ تقدیر کے کھیل ہیں کہ وہ ایسے کم ظرف نکلے کہ ماں بچوں کی اور بچے ماں کی صورت کو ترس گئے۔ میں تم سے کیا کہوں۔ جب ان دونوں کی شکلیں دیکھتی ہوں۔ میرا گلجہ پھٹنے لگتا ہے۔ دل خون کے آنسو رو رہا ہے تو قیر جہاں۔“ ان کی آنکھیں بے اختیار رینے لگیں۔

”سچ کہہ رہی ہو بھالی، مجھے پتہ ہے اولاد کا زخم کیا ہوتا ہے۔“

”وہ تو خدا شجاع اور ان کی دلہن کو سکھی رکھے۔“

دونوں جہاں میں سرخ رو ہوں۔ جیسا انہوں نے دونوں بچوں کا دل ہاتھوں میں لے رکھا ہے۔ اپنی اولاد سے بڑھ کر پرورش کا حق ادا کیا ہے۔ شجاع کی دلہن بیاہ کر آئی تو تائبندہ مشکل سے آٹھ ٹو برس کی تھی۔ اس دن سے جو اس نے گلے کا ہار بنایا ہے تو پھر ایک لمحہ ایک پل کو جدا نہیں ہونے دیا۔ وہ تو رہی شازیہ دکن کی تحویل میں ہے۔ کہنے کو شجاع تایا کے بیٹے ہیں۔ لیکن تائبندہ اور شاید کے لیے گلے باپ سے بڑھ کر۔ جس چاہت اور لگن سے انہوں نے پروان چڑھایا ہے۔ اس کا صلہ تو خدا ہی دے سکتا ہے۔ ہماری کیا طاقت اور کیا مجال ہے جو کچھ سوچ بھی سکیں۔ میرے روئیں روئیں سے دعا میں نکلتی ہیں ان دونوں کے لیے۔“

”ہاں برحق ہے تمہاری بات، یہ سب قدرت ہی کے کھیل ہیں۔ وہی واسطے ویلے بناتا ہے۔ رحمت کا ایک در بند ہوتا ہے تو اور دوسرے کئی در کھول بھی دیتا ہے۔“

”لیکن کیا اس طرح محرومیاں مٹ جاتی ہیں، رشتوں کا بدل کوئی ہو سکتا ہے۔ یہ کتنی جوان کا مقدر بنی، کس کے کارن؟ پھر تم کہہ رہی ہو کہ میں سب کچھ بھول جاؤں۔ مجھے اس بچے سے کوئی ذاتی دشمنی یا پر خاش نہیں ہے۔ میں نے تو اس غریب کی شکل تک نہیں دیکھی۔ مگر یہ آج کا دکھ نہیں ہے تو قیر جہاں! جو میں یوں آسانی سے فراموش کر سکوں۔ میرا دل اندر

چاہتا ہوں۔ میں صرف میں ہوں اپنی ذات میں زندہ
پھر کیوں یہ نام میری پہچان میری شناخت بن گیا ہے۔
کیوں میرا تعاقب کر رہا ہے۔ آخر کیوں؟ بولو؟
جواب دلو!

”ہاں یہ تو کوئی چلا رہا ہے۔“ تابندہ اون اور
سلاخیاں پھینک کر باہر کی سمت لپکی۔

”تم بھی مجھے نہیں جانتے۔ نہیں پہچان سکتے۔ میں
کہاں جاؤں۔ کسے پکاروں؟“ اچانک ان کی آواز
دھیمی ہوتے ہوتے بالکل ڈوب گئی۔ ہاتھ بے جان ہو
کر پہلوؤں میں جھول گئے۔

”وہ! تمہاری آواز! تمہاری پکار مجھ تک پہنچ گئی
ہے۔ جان چکا ہوں تم وجاہت علی رضا نہیں ہو، تم
صرف تم ہو۔ میرے دوست، میرے بھائی۔“
شابد نے ان کا چنخا بکھرتا وجود مضبوطی سے اپنے بازوؤں
میں جکڑ لیا۔

”کیا تم نے مجھے پہچان لیا۔؟“

”ہاں۔ آؤ اندر چلیں۔“

”نہیں، یہ ساتواں در ہے۔ اگر یہ بھی بند ہو گیا۔ تو
پھر مجھے پوری کائنات میں کہیں پناہ نہیں ملے گی۔ میں
اندر نہیں جاسکتا۔“

”ساتواں در کبھی بند نہیں ہوتا۔ آؤ اندر چلو۔ میں
تمہارے ساتھ ہوں۔“ محبت بھرے لہجے میں اعتماد
بھی تھا اور اصرار بھی۔

”آپ لوگ تشریف رکھیں۔ یقیناً ہم بہت کچھ
سننا چاہیں گے۔ میں ابھی واپس آتا ہوں۔“ انہوں
نے فرخ اور مسعود کی طرف دیکھا۔ جو چند قدم پیچھے دم
بخود تھے۔

”اوہو۔ آئے، ادھر تشریف لائیے۔ ہمیں پہلے
آپ سے یہ بات کہنی چاہیے۔“ انہیں کہتے کے عالم
میں ششدر کھڑے عارف اور افتخار بیک وقت چونک
گئے۔

”کوئی بات نہیں۔“ دھیرے سے کہتے ہوئے فرخ
نے قریب ہی بڑی لان چیمبرز کی طرف قدم بڑھا دیے۔
”ارے! یہ تو وجاہت ہے۔“ تابندہ کے قدم
میڑھیوں پر ہی ٹھک گئے تھے۔ لیکن شازیہ بھالی نے

تیزی سے آدمی روش طے کر لی۔
”کیا ہوا؟ خیریت ہے۔؟“

”خیریت ہی تو نہیں ہے۔“ شابد دھیرے سے
بڑھائے۔

”کیا بات ہے؟ جو! کیا ہو گیا۔“ انہوں نے حسب
عادت اس کی پیشانی پر سے بال اونچے کرنے کی کوشش
کی۔

”اے تو بہت تیز بخار ہے۔“ ان کے لہجے میں
تشویش تھی۔

شابد نے سر کی جنبش سے تائید کی۔

”نہیں شازیہ ہوں دے! تمہاری شاز آبی۔ میری
طرف دیکھو۔“ مگر ان کی آنکھوں میں کوئی پہچان نہیں
تھی۔

”شاز آبی! ہاں آپ میری آخری پناہ گاہ ہیں۔ میں
سنگ سنگ کر راکھ ہو چکا ہوں۔ مگر اس راکھ سے کوئی
نیا وجاہت جنم نہیں لیتا۔ اس ڈھیر میں اب کوئی شعلہ
کوئی چنگاری بھی نہیں ہے۔ پھر نہ بکھر کیوں نہیں جاتی
؟ میرے ہر راستے پر ماضی کی گرد پھیلی ہوئی ہے۔ جیسے
کوئی آسیب پیچھا کر رہا ہے۔ مجھے پچالہ جیسے کہیں چھپا
لیجئے شاز آبی آپ میری مہمیں۔ میری بھالی ہیں۔ مجھے
ان عذابوں سے نجات دلا دیں۔ پلیز مجھے بچالیں۔“ وہ
بچوں کی طرح ان سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رو
دیئے۔

”ہاں دے! اب تم یہاں میرے پاس رہو۔ یہ
آسیب تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ آؤ اندر چلو۔ تمہیں
بہت تیز بخار ہے۔ تمہیں اس وقت ایک آرام نہ بستر
کی اور بھرپور توجہ کی ضرورت ہے۔“ انہوں نے
دھیرے دھیرے ٹھکیاں دے کر انہیں ہوش اور
حوصلہ دلانے کی کوشش کی۔ شیرازی جو بدستور لان پر
ٹانگیں پھیلائے مہسوت سے ہو کر وجاہت کی شکل
دیکھے جا رہے تھے جیسے کسی خواب سے جاگے
دوسرے ہی لمحہ وہ بڑی پھرتی سے میڑھیوں پر تھے۔

”بالی! اندر چلو۔“ انہوں نے تابندہ کا راستہ روکا
تھا۔

”کیوں؟“ وہ حیران ہوئی۔

”وجاہت کا زہن اس وقت قابو میں نہیں ہے۔
یوں اچانک سامنا نہیں ہونا چاہیے۔“

”مجھ سے؟ مگر۔۔۔“
”مگر مگر کچھ نہیں۔۔۔ انہیں بہت تیز بخار ہے
تالی۔ زہنی گرفت بالکل کمزور رہ چکی ہے۔ پلینر سمجھنے کی
کوشش کرو۔“ وہ اس کے آگے دیوار بنے کھڑے
تھے اور اس کا نازک وجود ان کے لمبے چوڑے
سراپے کے پیچھے بالکل چھپ کر رہ گیا تھا۔
شیراز کا سخت لہجہ پتا نہیں کن احساسات کو چھو
گیا۔ تابندہ نے انتہائی شاک اور بے بس نظروں سے
دیکھا اور تیزی سے واپس کمرے کی طرف پلٹ گئی۔
آنسو ایک دم ہی قابو سے باہر ہو گئے تھے۔ رازی نے
عجیب دل گرفتہ اور آزرده سے انداز میں اسے جاتے
دیکھا اور بے ترتیب قدموں سے شاہد کی طرف لوٹ
گئے۔

ڈاکٹر حمید رحمان ان کے فیملی ڈاکٹر کو پہنچنے میں
پندرہ بیس منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔
”یہ برسوں رات فیصل آباد سے لوٹے ہیں۔ اس
وقت تک تو شاید ٹھیک ٹھاک ہی تھے۔“ شاہد نے فرخ
اور مسعود کو براہ راست ڈاکٹر حمید رحمان کے روبرو
پیش کر دیا تھا۔ ان کا پہلا تفصیلی بیان ان ہی کے
سامنے ہوا۔

”مگر تمام رات جاگتے اور سگریٹ پھونکتے رہے۔
کئی بار آنکھ کھلنے پر میں نے ٹوکا بھی۔ تم سگریٹ کے
عادی نہیں ہو اس طرح مت پیو۔ مگر پتہ نہیں کیا
البحسن تھی۔ بہر حال صبح ہم لوگ جاگے تو انہیں بخار
محسوس ہو رہا تھا۔ خود انہوں نے اور ہم لوگوں نے بھی
کوئی خاص خیال نہیں کیا۔ چائے کے ساتھ اسپرین
استعمال کر لی۔ یونیورسٹی چلے گئے۔ دوپہر تک بخار
خاصا برہ چکا تھا۔ گیارہ بجے کی کلاس اینڈ کر کے میں
اور یہ کیمپس سے نکل آئے تھے۔ ڈاکٹر سے مشورہ
کیا۔ پھر گھر آ گئے۔ مگر وہاں استعمال کرنے کے
باوجود بخار کم ہونے کے بجائے بڑھتا چلا گیا۔ رات بھر
ہم لوگ ٹھنڈے پانی کی پینیاں سر پر رکھتے رہے۔ یہ
کبھی غفلت میں چلے جاتے بھی نذر نذر سے بولنا اور

ہمکننا شروع کر دیتے۔ حالت مسلسل بگڑ ہی رہی
تھی۔“ مسعود نے دھیرے دھیرے تفصیلات سے آگاہ
کیا۔

”یہ کیفیت کب سے ہے؟“ ڈاکٹر رحمان نے
پوچھا۔
”آج صبح سے،“ بستر سے اٹھ اٹھ کر بھاگ رہے
ہیں۔“

”ہم لوگوں نے فیصلہ کیا تھا کہ ہسپتال میں داخل کر
دیا جائے۔ لیکن اس صورت حال میں یہاں سے
رابطہ کرنا زیادہ بہتر محسوس ہوا۔“ فرخ نے کہا۔
”ہوں۔“ صحیح اقدام کیا آپ نے، انہیں اس وقت
شدید دیکھ بھال اور توجہ کی ضرورت ہے۔ ہسپتالائز
کرنا اتنا ضروری نہیں ہے۔ شازیہ بی بی جس حد تک
ممکن ہو، پرسکون رکھنے کی کوشش کرو، کم سے کم لوگوں
سے ملاقات، اور کمرے میں ہنگامہ بالکل نہیں ہونا
چاہیے۔ ویسے تو میں نے انجکشن دیئے ہیں۔ مگر
مستقل توجہ کی ضرورت ہے۔“ انہوں نے دوا کی تجویز
کر کے پیڈ شاہد کی طرف برہمایا۔

”اس بر میں نے اوقات اور ترتیب لکھ دی ہے۔
دوا کے معاملے میں محتاط رہنا ہو گا۔“ وہ اٹھ کھڑے
ہوئے۔

”شازیہ بیٹا! ہلکی غذا استعمال کروانی ہے۔ اس
وقت اگر سوپ تیار کر اسکو تو کارن للیکس کے ساتھ
دینے کی کوشش کرنا، نہیں تو خالی سوپ ضرور دے
رہا۔“

وہ سب کو ساتھ لیے کمرے سے نکل آئے۔
”ارے تالی! کیا ہوا چندا!“ شازیہ بھا بھی اس کو
تلاش کرتی ہوئی آئی تھیں۔

”کچھ نہیں۔“ اس نے خاصی بے دردی سے چہرہ
رگڑ کر آنسوؤں کے نشان صاف کرنے کی کوشش کی۔
”کچھ تو ہوا ہے۔ یہ رونا بے سبب نہیں ہو سکتا۔“
”بعض اوقات بہت سی باتیں بے سبب بھی ہو
جاتی ہیں۔“ انہوں نے اس کے کچھ میں تندی اور
خفی محسوس کی۔

”دنیا میں کوئی بات بے سبب نہیں۔ کیا مجھے بھی

نہیں بتاؤ گی! وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر جھکیں۔
”میں تو پہلے ہی بہت پریشان ہوں تالی۔ وجاہت کی حالت۔“

”وجاہت کی حالت! اس نے تیزی سے بات کالی۔“ کیا میں نے انہیں اس حال کو پہنچایا ہے۔ میں اس کی ذمہ دار ہوں؟ آنسو ایک بار پھر چل گئے۔
”یہ تم سے کس نے کہا؟“

”وہ رازی کا لہجہ یہ لوگ کیا سمجھ رہے ہیں؟ یہ کیفیت میرے کسی رویے کی وجہ سے ہوئی ہے؟“
”نہیں تالی! ایسی بات نہیں ہے۔ اصل میں بوجے کی حالت دیکھ کر سب ہی بدحواس ہو گئے ہیں۔ ہمیں علم نہیں ہے نا وجاہت کا روبرو نزل گیا تھا تمہارے لیے۔“ ان کے لمحے میں بے انتہا پریشانی تھی۔

”کیا؟“ اس انگشتاں پر ایک لمحے کو وہ رونادھونا سب بھول گئی۔

”ہاں تالی اس کی اس کیفیت کا سبب جو کچھ بھی ہو۔ لیکن تم سے اچانک سامنا کسی نئے دھچکے سے دوچار ضرور کر سکتا ہے۔ مزید اذیت رساں اور نقصان کا باعث ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ اماں جان نے دو ٹوک جواب دے دیا ہے۔“

”آپ کو کیسے پتہ؟“
”عروسہ نے مجھے فون کیا تھا۔“
”عروسہ؟“

”وجاہت کی بہن۔ وہ خاص اسی کام کے لیے امریکہ سے یہاں آئی ہیں۔“

”اور آپ نے مجھے اطلاع بھی نہیں دی۔ کوئی تیز کر تک نہیں کیا۔“ وہ غم و غصہ سب بھول چکی تھی۔

”میں تو اب بھی نہ بتاتی۔ مگر اب ناگزیر ہو گیا ہے۔“

”کیوں؟“
”یہ صورت حال وجاہت کی حالت وہ تو لگتا ہے اپنے حواسوں میں ہی نہیں ہے۔ بہت مضبوط اور بلند حوصلہ ہوا کرتا تھا۔ بڑی سے بڑی مشکل اور پریشانی جھیل کر بھی ثابت قدم ہی رہا۔ اس میں صبر اور

برداشت کا مادہ اتنا زیادہ ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔ یوں بے حوصلہ کیسے ہو گیا؟“ شازیہ بھالی سچ مچ پریشان تھیں۔

”اور سب کو پتا ہے اس بات کا۔“ تابندہ نے ان کی شکل دیکھی۔

”سب کو نہیں شاید، افتخار اور رازی کو معلوم ہے۔ قمر پھو نے شیراز کو فون کیا تھا اسی دن۔“

”یہ خود قیصل آباد اسی سلسلے میں گئے تھے؟“
”ہوں ظاہر ہے عروسہ کو اس نے ٹیلی فون کر کے بلایا ہے۔“

”آپ کو پہلے سے علم تھا؟“
”ہاں تالی۔“ انہوں نے گہرا سانس لیا۔ ”اس نے سب سے پہلے مجھ ہی سے اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا اور میں نے ہی اسے یہ راہ دکھائی تھی۔ یقین مانو تالی۔ وجاہت مجھے بے حد عزیز رہا ہے۔ اس کی عادات، اخلاق، مزاج، کردار ہر چیز آئینے کی طرح صاف اور عیاں ہے۔ شکل و صورت تم نے بھی دیکھ ہی لی۔ حقیقت بھی کوئی ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ میرے خیال میں ایسی کوئی بات نہ تھی جو اس کی خواہش کی راہ میں رکاوٹ بنتی۔“

”پھر اماں جان نے کیوں رد کر دیا۔“
”صرف اسی لیے کہ وہ رومیسہ پھپھو کا بیٹا ہے۔“

”شازیہ بھابھی ایک دم تلخ ہو گئیں۔“
”رومیسہ پھپھو کے بیٹے یہ وجاہت علی رضا۔“

”تابندہ کے ذہن کو دھچکا لگا۔“
”جی اور یہ جرم اتنا سنگین ہے کہ اس کے آگے اس بچارے کی پوری ذات کی نفی ہو گئی۔ اسی آئینے میں دیکھ کر اس کی نیت پر نہ صرف شک کیا گیا بلکہ ہدفِ ملامت بھی بنایا گیا۔“

”کیا مطلب؟“
”تم مجھے بتاؤ تالی! اگر وہ مخلص نہ ہوتا تو یہ سیدھا اور صاف راستہ کیوں اختیار کرتا۔ یہاں اس کا بے تکلف آنا جانا ہے۔ وہ تم سے اپنی دلچسپی کا اظہار کر سکتا تھا۔ پہلے تم سے اپنی پسندیدگی اور خواہش کی راہ ہموار کرتا۔ جب مضبوطی حاصل ہو جاتی۔ تب یہ قدم

”تم مجھے بتاؤ تالی! اگر وہ مخلص نہ ہوتا تو یہ سیدھا اور صاف راستہ کیوں اختیار کرتا۔ یہاں اس کا بے تکلف آنا جانا ہے۔ وہ تم سے اپنی دلچسپی کا اظہار کر سکتا تھا۔ پہلے تم سے اپنی پسندیدگی اور خواہش کی راہ ہموار کرتا۔ جب مضبوطی حاصل ہو جاتی۔ تب یہ قدم

”تم مجھے بتاؤ تالی! اگر وہ مخلص نہ ہوتا تو یہ سیدھا اور صاف راستہ کیوں اختیار کرتا۔ یہاں اس کا بے تکلف آنا جانا ہے۔ وہ تم سے اپنی دلچسپی کا اظہار کر سکتا تھا۔ پہلے تم سے اپنی پسندیدگی اور خواہش کی راہ ہموار کرتا۔ جب مضبوطی حاصل ہو جاتی۔ تب یہ قدم

”تم مجھے بتاؤ تالی! اگر وہ مخلص نہ ہوتا تو یہ سیدھا اور صاف راستہ کیوں اختیار کرتا۔ یہاں اس کا بے تکلف آنا جانا ہے۔ وہ تم سے اپنی دلچسپی کا اظہار کر سکتا تھا۔ پہلے تم سے اپنی پسندیدگی اور خواہش کی راہ ہموار کرتا۔ جب مضبوطی حاصل ہو جاتی۔ تب یہ قدم

”تم مجھے بتاؤ تالی! اگر وہ مخلص نہ ہوتا تو یہ سیدھا اور صاف راستہ کیوں اختیار کرتا۔ یہاں اس کا بے تکلف آنا جانا ہے۔ وہ تم سے اپنی دلچسپی کا اظہار کر سکتا تھا۔ پہلے تم سے اپنی پسندیدگی اور خواہش کی راہ ہموار کرتا۔ جب مضبوطی حاصل ہو جاتی۔ تب یہ قدم

”تم مجھے بتاؤ تالی! اگر وہ مخلص نہ ہوتا تو یہ سیدھا اور صاف راستہ کیوں اختیار کرتا۔ یہاں اس کا بے تکلف آنا جانا ہے۔ وہ تم سے اپنی دلچسپی کا اظہار کر سکتا تھا۔ پہلے تم سے اپنی پسندیدگی اور خواہش کی راہ ہموار کرتا۔ جب مضبوطی حاصل ہو جاتی۔ تب یہ قدم

”تم مجھے بتاؤ تالی! اگر وہ مخلص نہ ہوتا تو یہ سیدھا اور صاف راستہ کیوں اختیار کرتا۔ یہاں اس کا بے تکلف آنا جانا ہے۔ وہ تم سے اپنی دلچسپی کا اظہار کر سکتا تھا۔ پہلے تم سے اپنی پسندیدگی اور خواہش کی راہ ہموار کرتا۔ جب مضبوطی حاصل ہو جاتی۔ تب یہ قدم

”تم مجھے بتاؤ تالی! اگر وہ مخلص نہ ہوتا تو یہ سیدھا اور صاف راستہ کیوں اختیار کرتا۔ یہاں اس کا بے تکلف آنا جانا ہے۔ وہ تم سے اپنی دلچسپی کا اظہار کر سکتا تھا۔ پہلے تم سے اپنی پسندیدگی اور خواہش کی راہ ہموار کرتا۔ جب مضبوطی حاصل ہو جاتی۔ تب یہ قدم

”تم مجھے بتاؤ تالی! اگر وہ مخلص نہ ہوتا تو یہ سیدھا اور صاف راستہ کیوں اختیار کرتا۔ یہاں اس کا بے تکلف آنا جانا ہے۔ وہ تم سے اپنی دلچسپی کا اظہار کر سکتا تھا۔ پہلے تم سے اپنی پسندیدگی اور خواہش کی راہ ہموار کرتا۔ جب مضبوطی حاصل ہو جاتی۔ تب یہ قدم

اٹھاتا۔ اگر وہ اس راہ پر چلا ہوتا۔ تو یقین کرو میں بھی اس کی طرف سے بدگمان ہوتی میں بھی اسے انتقام کی کوئی صورت گردانتی کاش اباجی مجھ سے پوچھتے تو سہی۔" وہ گہرے تاسف کا شکار تھیں۔

"کیا بوجھتے؟"

"کچھ بھئی کوئی بات رائے مشورہ یا تبصرہ مگر وہاں تو بغیر مہلت اور گنجائش دے۔ یک لخت جواب دے دیا گیا۔ مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ وجاہت کی خواہش میں اتنی شدت بھی ہو سکتی ہے اور یہ انکار اسے جڑ بنیادوں سے ہلا کر رکھ دے گا۔ ورنہ میں کوئی دوسری صورت اختیار کرتی۔"

"مثلاً؟"

"یہی کہ پہلے شجاع کو آمادہ کرتی۔ وہ ابامیاں یا خود اباجی کے کان میں بات ڈالتے، تھوڑا بہت ہم خیال کرتے یا اماں بی (ساس) کو رضامند کر لیتے پھر پروپوزل جاتا۔ کچھ تو لگ نکل ہی آتی۔"

"اچھا۔ آپ ایک طرف طور پر سارے معاملات طے کر لیتیں تمام اقدامات اپنی رائے مرضی سے کرتیں۔ صاحب معاملہ کی آپ کی نظر میں کوئی اہمیت یا حیثیت نہیں ہے۔"

"کیا مطلب؟" شازیہ بھابی بے طرح چونکیں۔ "میں نے کوئی مبہم بات نہیں کہی۔ آپ ہر بات کا مطلب نہ پوچھا کریں۔ اور صاحب معاملہ صرف آپ کے وجاہت علی رضا نہیں ہیں۔"

"مگر تالی۔" شازیہ بھابی کا چہرہ فٹ ہو گیا۔ "تم تو میرے لیے کھلی کتاب ہو۔ تمہارا ذہن تو میں ہر لمحہ ہر گھڑی بڑھ سکتی ہوں۔ کسی دھوکے یا غلط فہمی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"اتنے یقین سے مت کہہ سکتے۔"

"کیوں نہ کہوں تالی! تمہاری آنکھیں تمہارا چہرہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا اور میں نے ان کی تحریر بار بار پڑھی ہے۔ وجاہت سے صرف میں ہی متاثر نہیں ہوں۔ اسی اعتماد کے سارے تو اسے حوصلہ دیا تھا۔ چاہے سارا خاندان مخالف ہو۔ میرا وٹ اس کے حق میں ہی جائے گا۔ ساری دنیا میں تم ہی تو ہونے سمجھنے

میں کبھی غلطی نہیں کر سکتی۔ اور اگر میرا یہ یقین ٹوٹا تو میرا خود اپنے آپ پر سے اعتبار اٹھ جائے گا تالی۔" ان کے آزرہ لہجے میں گہرا مال اور صدمہ گونج رہا تھا۔ تائبندہ نے سر اٹھا کر دیکھا۔ ان کے چہرہ کا وہ تاثر؟ جیسے بلور کی کوئی نازک شے جھجھکی ہو!

ہاں انہوں نے مجھے سارے زمانے سے برہ کر عزیز اور قریب جانا ہے۔ عزیز تر رکھا ہے۔ اور یہ خود بھی تو مجھے اپنے آپ سے کہیں برہ کر عزیز رہی ہیں۔ تو پھر؟

"آپ نے ابھی کہا تھا کہ دنیا میں کوئی بات بے سبب نہیں ہوتی۔"

"ہاں۔ یہ بات تو میں اب بھی کہہ رہی ہوں۔" "تو پھر آپ کا اعتماد یہ مان اور یقین اتنا بے وقعت کیسے ہو سکتا ہے کہ یوں آسانی سے ٹوٹ جائے۔" "کیا؟" وہ کچھ بھونچکا سی ہو گئیں۔

"یہی کہ یہ وٹ تنہا صرف آپ کا نہیں ہے۔" "سچ تالی۔" انہوں نے بے یقین نظروں سے اس کے دھنک رنگ چہرے کو دیکھا۔

"بالکل سچ۔ اس لیے بھی کہ میرے ابو جان نے رومی پچھو کو بڑا عزیز جانا تھا۔ اور میں نے تو اپنے ابو کے تصورات سے بھی محبت کی ہے پھر رومی سے پچھو تو ایک جیتی جاگتی زندہ حقیقت تھیں۔" اس نے گہرا سانس لیا۔

"تالی میری جان۔ تم نے مجھے نئی زندگی دی ہے اس وقت۔" وہ ایک دم اس سے لپٹ گئیں۔ "میرے قدموں کو زمین لوٹا دی ہے۔ مجھے خود اپنے سامنے سرخ رو کر دیا۔ میں تمہیں کسے بتاؤں کہ میں کتنی بے یقین، کتنی بے وزن ہو گئی تھی۔ اب میں سارے زمانے سے ٹکر لے سکتی ہوں!"

* * * * *

"پھر تم نے کیا سوچا شاید۔" "کیا سوچوں؟ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا بھالی! اکیلا تو میں کچھ بھی نہیں کر سکا۔ شجاع بھالی کو فیکس کیا ہے۔ روٹ کو سمجھا دیا تھا۔ وہ آج کسی وقت یقیناً فون کریں گے۔ تب ہی کچھ کیا جاسکے گا۔"

یہاں بیٹھ کر تو میں بھی بہت لمبی لمبی باتیں کر سکتا ہوں۔“

ان کے چرنے پر شاہد زور سے ہنس پڑے۔
”میں تو اباجی کے سامنے بھی دلیلیں دینے کو تیار ہوں۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ میرے جانے کی صورت میں معاملہ صحیح نہیں رہے گا۔ عورتوں کے درمیان معاملات سمجھتے سمجھتے کبھی نہیں۔ الجھتے زیادہ ہیں۔ آپ تو اکیلے میں اباجی سے با آسانی بات کر لیں گے انہیں قائل کر سکتے ہیں۔“

شجاع بھائی چپ چاپ سر جھکائے کچھ سوچتے رہے۔
شاہد کی نظریں ان کے چہرے پر تھیں۔

”آپ پہلے ابامیاں اور اماں بی (والد اور والدہ) کو اپنے حق میں ہموار کرنے کی کوشش کیجئے گا پھر اباجی (دادا) کے سامنے بات آگے بڑھانے میں اتنی مشکل نہیں ہوگی۔“ وہ مسلسل انہیں حوصلہ دلانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

”آپ یہ یقین لے کر جائیے تاکہ اس پروپوزل میں کوئی کمی یا خالی نہیں ہے۔ اگر ہماری وجہ سے دونوں خاندانوں کے تعلقات پھر سے بحال ہو گئے تو کیا یہ ایک بڑا کارنامہ نہیں ہوگا۔“

”ہوں ہاں۔“ انہوں نے ابھی ہوئی نظروں سے شازیہ بھالی کود بکھا۔

”سوچنے کی بات ہے ناں معمولی معمولی وجوہات کو بنیاد بنا کر ناراضگیوں کو اس قدر طول دینا بھلا کوئی اچھی بات ہے۔ زبانی ٹکامی تو ہم ہزار بار چار کرتے ہیں۔ اپنے دین مذہب سے لگاؤ کا۔ لیکن عملی صورت میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر یہ دھیان نہیں کرتے کہ ہم کس حد تک خدا اور نبی کے بھی گناہ گار اور مجرم ہو رہے ہیں۔ کیا فرق ہے بھلا ہم میں اور ایام جاہلیت کے لوگوں میں۔“

”اچھا اب زیادہ علامہ بننے کی ضرورت نہیں ہے کچھ نہ کچھ کروں گا ہی۔ بات اصل میں یہ ہے کہ ان حضرات یعنی وجاہت علی رضا بہادر نے مجھے بھی خاصا متاثر کیا ہے۔“ شجاع بھائی اٹھ کھڑے ہوئے۔

اور پھر ٹیلی فون پر واضح ہونے والی صورت حال نے اسی شام شجاع الدین احمد کو پاکستان پہنچا دیا۔

”تم نے مجھے سخت مشکل میں ڈال دیا ہے۔ میں اب جی سے کیا بات کروں؟ اور کس طرح کروں؟۔“
”مشکل کی کیا بات ہے دیکھئے نا۔ رومیسہ پھپھو کی شادی اگر پھر پچاسے نہیں ہو پائی تو یہ کوئی اتنی بڑی بات تو نہ تھی کہ اسے یوں ناک اور آن کا مسئلہ بنا لیا جاتا۔“

”اچھا اب اتنا عرصہ گزرنے کے بعد ہم اس قابل ہو گئے ہیں کہ بزرگوں پر تنقید کر سکیں؟ لگتا ہے خوب اچھی طرح مٹی پلید کر آؤ گی تم میری۔“ شجاع بھائی خفا ہو گئے۔

”تنقید کون کر رہا ہے۔ یہ تو سوچنے کی بات ہے۔ خواہ مخواہ محض انا کے پیچھے زندگیاں برباد کر دی گئیں۔ ایک معمولی بات کا کتنے لوگوں پر اثر پڑا ہے۔ رومیسہ پھپھو ساری عمر یہاں رہنے والوں کے سامنے مجرم بنی رہیں۔ حالانکہ قصور ان کا تھا بھی نہیں۔ اور اپنے گھر میں کبھی آسودہ نہ رہ سکیں۔ دونوں خاندان ایک دوسرے سے میلوں فاصلے پر جا کھڑے ہوئے۔“
”یہ تو وقت کے ہاتھوں ہوا ناں۔ حالات اختیار میں نہیں رہے تھے۔“

”جی نہیں۔ وقت اور حالات کوئی چیز نہیں، یہ سب سے کمزور بہانے ہوتے ہیں۔ یہ صرف اس وجہ سے ہوا کہ رونی پھپھو کی طرف سے کوئی بولنے والا نہیں تھا۔ اور وہ بے چاری خود کچھ کہہ نہیں سکتی تھیں۔ اس وقت اباجی اپنا حق ولایت استعمال کر کے رومیسہ پھپھو کا نکاح پچا بدری سے کر دیے تو پھر جی قیصر جہاں کی یا کسی اور کی مجال تھی کہ چوں چرا کرتے اور اگر یہ نہیں کیا گیا تھا۔ تو پھر صورت حال کو قبول کر لینا چاہیے تھا۔ تعلقات منقطع کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اور اب یہ کہاں کی عقل مندی ہے کہ بجائے بہتری کی صورت نکالنے کے مزید بات کو بڑھا کر تسلوں تک پھیلا دیا جائے۔“

”ہاں۔ یہ سارا بحث مباحثہ لمبی چوڑی تقریر یہاں بیٹھ کر ہو رہی ہے۔ یہ دلیلیں تم مجھے دے رہی ہو“

”تم چلو گے شاید؟“ انہوں نے پوچھا۔
”ضرور۔ آپ کی مورل سپورٹ کے لئے ضروری ہے۔“

”کیا بات ہے آپ کی مورل سپورٹ کی وہاں ہم محاذ قائم کرنے تو جا رہے ہیں؟ میاں میں اکیلا ہی کافی ہوں بات کرنے کے لیے۔“ اباجی کا سب سے بڑا پوتا ہوں۔ اور بقول لوگوں کے لائق فائق، لاڈلا چیتا، نیک اور سعادت مند، اور پھر کم از کم تابندہ کے سلسلے میں اتنا حق تو رکھتا ہوں۔ میری سب سے بڑی مورل سپورٹ تو خود اباجی ہیں میرے لیے!“

* ☆ *

اب جب وہ لوگ لوٹے تو شازیہ بھالی اچھل پڑیں۔ ساتھ آنے والوں میں اباجی کے ساتھ ہی آیا حسن رضا اور عروسہ بھی تھیں۔
”کامیابی؟“ انہوں نے شاید سے سرگوشی میں پوچھا۔

”اول ہوں۔ ناکامی اور وہ بھی زبردست۔ یہ وجاہت کو واپس اپنے ساتھ لے جانے کے لیے آئے ہیں۔“

”نہیں۔“ وہ یکدم سن ہو گئیں۔
”ابھی خود ہی پتا چل جائے گا آپ کو۔“ وہ بے نیازی سے آگے بڑھ گیا۔

”تایا جی آپ؟“ وجاہت انہیں سامنے پا کر حیران رہ گئے۔

”عروس آیا۔“ جلدی سے کہنی کے بل اونٹے ہو کر چھلکتی آنکھوں کے ساتھ اوپر جھٹکنے والی عروسہ گولگے لگالیا۔

”جی بیٹا! میں اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟“ حسن رضا نے سر پر پتھکی دی۔

”بالکل ٹھیک ہوں تایا جی۔“ وہ ایک دم جھل اور پشیمان سے ہو گئے۔

”شکر ہے۔ خدا جلد صحت یاب کرے۔“ شجاع اور شاید کی ربانی جو کچھ سنا اس نے تو خاصا پریشان کر دیا تھا ہمیں اب جلدی بستر سے کھڑے ہو جاؤ۔“ انہوں نے اسی شفقت سے شانہ تپتہ پایا۔

”انہیں پہچانتے ہو۔؟“ اشارہ اباجی کی سمت تھا۔
عروسہ سر ہانے کھڑی آنکھیں خشک کر رہی تھیں۔
”شرمندہ ہوں اپنی کوتاہی پر۔“

”میاں! کیوں بچے کا امتحان لے رہے ہو۔ کبھی دیکھا ہو تو پہچانے بھی۔“ اباجی ہنس دیئے۔

”یہ پچا رضی الدین ہیں۔ ہمارے والد کے پھوپھی زاد بھائی، شجاع کے دادا جان اور تمہارے نانا۔ تمہاری والدہ کے گنگے چچا ہیں۔“

”اڑہ اچھا!“ وجاہت چپ سے ہو گئے۔ تعارف اور مزاج پرسی کے مراحل سے گزرنے کے بعد ان سب کو کمرے سے باہر جاتے دیکھ کر وجاہت کچھ عجیب سی بے چینی اور اضطراب کا شکار ہوئے۔

”شازیہ آئی؟“ اس دھیمی سی مضطربانہ قسم کی بیکار پرسب سے آخر میں باہر نکلتی شازیہ بھالی ٹھٹھک کر مڑیں۔

”یہ آپ نے تایا جی کو کیوں بلوایا۔“

”اب ذرا صحیح قسم کی پوچھ کچھ ہوگی تمہاری۔ یوں طبیعت خراب کر کے ہمارے گھر میں آؤ گے تو اور کیا کریں گے ہم؟“ انہوں نے مسکراتے کی کوشش کی۔

”نہیں تو پہلے ہی شرمندہ ہوں۔ کہا تھا آپ سے جانے دیں۔ طبیعت خاصی بستر ہو چکی ہے۔ خود ہی ٹھیک ہو جاؤں گا رفتہ رفتہ۔“

”کہاں جانے دیں۔ اسی بیچلرز ہوم میں؟ اس سے بستر ہے تمہیں تمہارے ولی وارثوں کے حوالے کر دیا جائے۔“

”ولی وارث!“ وہ تلخی سے مسکرایا۔

”جی اور ویسے بھی یاد ہے کچھ؟ اندر آتے وقت تم نے کہا تھا۔ اگر یہ در بھی بند ہو گیا تو مجھے کائنات میں کہیں پناہ نہیں ملے گی۔“

”وہ تو پتا نہیں کیا ہو گیا تھا مجھے، اس وقت سچ سچ حواسوں میں نہیں تھا۔ اور نہ معلوم کس قدر الٹی سیدھی بکواس کی ہوگی۔“

”ہاں وہ تو۔“

”یک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی“

رہے ہیں۔ جو کچھ بھی وہ پوچھیں۔ سوچ سمجھ کر جواب دیتا۔ اس وقت میری اور شجاع کی تمام تر عزت اور حیثیت تمہارے ہاتھ میں ہے۔ شجاع اور شاہد نے تمہاری خاطر زبردست جنگ لڑی ہے وہاں اماں جان سخت ناراض ہیں۔ اور اباجی آخری فیصلہ کے لیے یہاں آئے ہیں۔ اور اب فیصلے کا سارا انحصار تم پر ہے۔ "شازیہ بھابی نے ساتھ چلتے ہوئے دھیرے دھیرے اسے آگاہ کیا۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے بھابی۔ آپ میرے ساتھ چلے۔" اس نے مضبوطی سے ان کا بازو تھام لیا۔ "ہشت بگلی۔ کس سے ڈر لگ رہا ہے؟ اباجی سے؟" انہوں نے اس کے کانپتے سر ہاتھ پر چھکی دی۔ "اباجی سے نہیں اپنے حوصلوں سے اپنے اعتماد سے۔ میں کیسے کسی بات کا جواب دوں گی۔" "وہ تمہیں جواب طلبی کے لیے تو نہیں بلارہے۔ جاؤ شاہد کھیرانے کی ضرورت نہیں ہے بے وقوف۔" انہوں نے اسے دروازے کی طرف دھکیل دیا۔

"او بیٹی! میں تمہارا ہی منتظر ہوں۔" شکر ہے اباجی کمرے میں تنہا ہی تھے۔ "بیٹھو۔" ہاتھ سے کرسی کی نشاندہی کی۔ وہ کانپتے قدموں سے جا کر ٹک گئی۔ اباجی پیچھے کر رہے دونوں ہاتھ باندھے کمرے کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ٹہل رہے تھے اور وہ ان کے قدم گن رہی تھی۔ "تا بندہ بیٹے!" کافی دیر بعد وہ مخاطب ہوئے۔ "جانتی ہو میں نے تمہیں اس وقت کیوں بلایا ہے۔" اس نے ایک لمحے کے لیے نظر اٹھائی اور پھر نیچے دیکھنے لگی۔

"بیٹا! ویسے تو مجھے شجاع اور شازیہ دلہن پر مکمل اعتماد اور بھروسہ ہے کہ وہ تمہارے لیے جو کچھ اور جب کبھی بھی سوچیں گے ہمیشہ بہتر ہی سوچیں گے۔ لیکن۔" وہ اس کے قریب آکر رک گئے۔ "یہ زندگی بھر کے فیصلے ہوتے ہیں۔" انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ ایک لمحے کا توقف! اور لمحہ بھر

والی صورت حال تھی۔ کیوں؟" رازی نے بڑے معنی خیز انداز میں ہنس کر شعر پڑھا۔ وہ شازیہ بھابی کو بلانے آئے تھے۔

"چلیے تشریف لے چلیے ہائی کمان سے طلبی ہوئی ہے۔" وہ ہنستی ہوئی باہر چلی گئیں۔ "تمہارا کوئی تصور نہیں ہے بھابی افتاد طبیعت سے اس حال کو تمہیں منجھے!"

"میری افتاد طبیعت یہ تو نہیں تھی۔ یہی تو مجھے ملال ہے رازی! میں کیوں اتنا ہلکا۔ بلکہ چھچھورا اور بے وقعت ہو گیا؟"

"کوئی بے وقعت نہیں ہوئے تم بندہ خدا یہ پشیمانی دیشمانی چھوڑو تم نے جان بوجھ کر کیا تھا سب کچھ؟ ڈرامہ کر رہے تھے؟"

"لاحول ولا قوۃ اب اتنا بھی تنگ ظرف نہیں ہوں کہ یوں ڈرامے بازی پر ہاتر آؤں۔ اور گتنا ذلیل کرو گے۔"

"نہیں یار۔ میری یہ مجال کہاں؟ یہ جذبے واقعی بڑے لطیف بڑے کبیر اور بہت بے اختیار ہوتے ہیں دوست جو انسان کو بے بس کر دیتے ہیں۔"

(ہاں تب ہی تو وہ جو مجھے بھی بے حد عزیز رہی ہے اور جو میرے بزرگوں کی خواہش بھی تھی۔ مگر میرا نصیب نہ بن سکی۔ اور تمہارے جذبے بہت زیادہ طاقتور تھے شاہد!)

رازی نے وجاہت کی طرف دیکھتے ہوئے گہرا طویل سانس لیا تھا۔

--*

"حد درجے بد تمیز ہو شاہد تم نالائق کہیں گے۔" شازیہ بھابی نے دودھ مو کے اس کی کمر پر جمائے۔ "ڈراما ضبط نہیں ہے شجاع بھابی میں۔ اگل دیا ناں سب کچھ۔" وہ ہنستا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔

"سارا خون خشک کر کے رکھ دیا میرا۔ اتنی سی دیر میں۔ دیکھنا کیسا زبردست بدلہ لوں گی۔ جاتے کہاں ہو۔" وہ تا بندہ کے کمرے کی طرف چلی گئیں۔

"تالی! ایک بات دھیان سے سنو! اباجی تمہیں بلا

کے اس توقف میں جیسے زندگی کی نبضیں تھم گئیں۔
تابندہ کو اپنا دل پہلو کے بجائے سر میں دھمکتا محسوس
ہو رہا تھا۔

”آج تمہارے والدین موجود ہوتے تو شاید یہ بوجھ
مجھے اتنا بھاری نہ محسوس ہوتا۔ یہ ذمہ داری اپنی گراں
نہ گزرتی۔ لیکن اس صورت میں میں چاہتا ہوں تم
مجھے آزادانہ رائے دو۔ شیراز احمد کے لیے تمہاری
پھوپھی قمر مجھ سے ایک عرصے سے کہہ رہی ہیں۔ اور
اب یہ وجاہت کا سلسلہ ہے۔ اور یہ دونوں تمہارے
سامنے رہے ہیں۔“

”اباجی! آہ... آپ...“ اس نے بولنے کی
کوشش کی لیکن بے اختیار اٹھ آنے والے آنسوؤں
نے گلاب بند کر دیا۔ آواز نہ جانے کہاں گم ہو گئی۔

”نہیں بیٹا! میرا مقصد دل آزاری نہیں ہے۔ میں
اعتماد چاہتا ہوں۔ اطمینان کرنا چاہتا ہوں۔ تم سمجھ دار
ہو، اپنا اچھا برا سوچ سمجھ سکتی ہو۔ اور یہ حق تمہیں
خدا نے دیا ہے۔ ہمارے مذہب نے دیا ہے۔ اگر اس
میں تمہاری رضا بھی شامل ہے تو ٹھیک ہے۔ اگر نہیں
تو حسن رضا میرے ساتھ آئے ہیں۔ وہ شام کی فلائیٹ
سے وجاہت کو اپنے ساتھ لے جا میں گے۔ تم ہر کسی
قسم کا کوئی دباؤ نہیں ہے بیٹا اور رشتے بناتے رشتیں
مجبوری کے بندھن کبھی نہیں ہوتے۔“ خاموشی کا
ایک طویل لمحہ وہ جواب کے طالب تھے اور یہ چپ
تھی۔

”بولو میں منتظر ہوں بیٹے۔“
”اباجی! آپ! آپ جو کچھ کریں گے وہی میرے
لیے بہتر ہو گا۔“ اس نے بڑی ہمت سے لب کشائی
کی۔

”نہیں بیٹا! مجھے واضح جواب چاہیے غیر مبہم میں
آئندہ کے لیے کسی گمان یا خلش کی گنجائش نہیں
رکھنا چاہتا۔ اور نہ ہی بچھتاوے کا کوئی در کھلا رکھنا
چاہتا ہوں۔ تمہیں وجاہت سے رشتے پر کوئی اعتراض
تو نہیں ہے یہ نسبت پسند ہے۔؟“

”جی! اس کے منہ سے بمشکل آواز نکلی۔
”بس بیٹا۔“ انہوں نے گہرا طویل سکون کا سانس

لیا۔ ”میں بھی اطمینان چاہتا تھا۔ یہ بچہ وجاہت کی بجائے
رومیہ کا عکس، رومیہ کی تصویر ہے۔ میں نے تو
اس کو اب دیکھا ہے۔ اور تم نہیں جانتیں مجھے
تمہارے باپ سے کس حد تک محبت تھی۔ رومیہ
مجھے کتنی عزیز رہی ہے۔“ وہ آب دیدہ ہو گئے۔

”میں جانتا ہوں، تمہیں سخت مشکلات کا سامنا کرنا
پڑے گا۔ خاص طور پر اپنی دادی کے رویہ کو کہ وہ مزاج
کی تیز ہونے کے ساتھ ساتھ بہت زود رو بھی ہیں۔
لیکن مجھے یقین ہے تم استقامت سے برداشت کر لو
گی۔ اس لیے کہ میں نے تمہارے روپ میں بارہا
بد رو کو دیکھا ہے۔“ ان کی بھرائی ہوئی آواز میں کچھ
مسرت کے ساتھ ہی گہری حسرت اور یاس بھی تھا۔
لیکن آج غالباً ”انہوں نے اپنے تمام دلی جذبات کو
زبان دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

”شاید اس طرح ان محرومیوں اور نا آسودگیوں کا
ازالہ ہو جائے جو زبردستی ان کا اور پھر تمہارا بھی مقدر
بنادی گئیں۔ تم وہی مل ثابت ہو سکو جو قیصر جہاں
ہماری بھانج نے اپنی نادانی کے سبب درمیان سے اٹھا
لیا تھا۔ جس نے ہم دونوں بھائیوں کے خاندانوں کو
ندی کے دو ایسے کنارے بنا دیا جو ساتھ ساتھ بننے کے
باد جو مل نہیں پائے۔ شاید اس طرح تمہارے باپ
کی روح شاد کام ہو جائے۔ جاؤ، خدا تمہیں دونوں
جہاں کی خوشیاں عطا کرے اب میں کوئی بھی فیصلہ
پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ کر سکوں گا۔ ہر فیصلے پر
میری گرفت مضبوط ہوگی۔“ اباجی نے اس کے سر پر
چھکی دی اور تابندہ نے اپنے اندر بے پناہ تقویت نئی
توانائیاں اترتی محسوس کیں۔ واپس آتے ہوئے
قدموں میں مضبوطی اور اعتماد تھا۔

* ☆ * ☆ *

”کمال ہے شاز بھالی بہت غلط حرکت کی ہے آپ
نے اگر رازی ہمیں اطلاع نہ دیتے تو آپ تو شاید ہوا
بھی نہ لگتے دیتے۔“ رضوانہ باہر سے ہی ناراض ہوتی
ہوئی داخل ہوئی۔

”بہت ہی پیٹ کے ملے ہیں یہ رازی تو۔ کوئی بات
رکتی ہی نہیں ہے۔ ہیں کدھر؟ میں ذرا خبر تو لوں ان

"جو کر نہیں دلہن بن کر شکر کرو۔ تمہارے کپڑوں سے بچ کر رہا ہے۔ پر نہ میں تو بھاری سے بھاری دپٹے کی تلاش میں تھی۔ خواہ کسی بھی کٹر کا ہو۔" شبنو نے دھمکایا۔

"واہ عروسہ آیا۔ چار گھنٹے سے آپ آئی ہوئی ہیں۔ اتنا بھی نہیں ہوا۔ ایک سلا سلا یا عروسی جوڑائی خرید لائیں۔ حد سے کوئی تنجوسی کی۔" رضوانہ شکوے کے پردے میں بلا تکلف طعنہ زنی پر اتر آئی "جی اور کچھ نہیں تو پھولوں کا گہنا ہی لے لیں۔" نوری نے ٹکڑا لگایا۔ اب تو وہ سب ہی سمجھ داری کے ثبوت فراہم کرنے پر تل گئی تھیں۔ اور وہ بھی پورے زور و شور سے۔

"بھئی، چار گھنٹے پہلے کوئی ہمیں یقین دلا دیتا۔ تو ہم ایک چھوڑ چار جوڑے خرید لاتے۔ یہاں تو۔۔۔ ہمیں آدھے گھنٹے پہلے تک کوئی امید نہیں تھی۔" وہ فحش پڑیں۔

"تکیوں کے سہارے بستر نیم دراز و جاہت کمرے میں جمع ہونے والے مختلف افراد کو دیکھ دیکھ کر پریشان ہو رہے تھے۔ اب شاز آلی کے ساتھ جگمگاتے دپٹے میں تابندہ کو آتا دیکھ کر بالکل حواس باختہ ہو کر رہ گئے۔

"وجاہت بیٹے۔" ان کے بالکل قریب بیٹھے تیا جی ان کی طرف جھکے۔

"تمہاری خواہش تھی۔ چچا رضی تمہیں اپنے خاندان میں شامل کر لیں۔"

"جی؟" انہوں نے الجھی ہوئی حیران نظروں سے دیکھا۔

"ہم بھی یہی چاہتے ہیں۔ لیکن خواتین بہت ضدی اور ہٹ دھرم ہوتی ہیں۔ اور انہیں کچھ سمجھانا یا ان سے کوئی بات منوالینا بہت مشکل کام ہے۔" وہ ہنسے۔

"اس لیے ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس وقت یہاں تمہارا نکاح کر دیا جائے۔ چچا رضی اپنی ذمہ داری پر یہ قدم اٹھا رہے ہیں۔ تم تیار ہو۔"

"جی؟؟" وہ حیرتوں کا شکار پوری آنکھیں کھولے

کی۔ "وہ فوراً" میدان میں اتر آئیں۔

"چتا نہیں کدھر ہیں۔ وہ گاڑی لیے شہر بھر سے لوگوں کو بھرتے پھر رہے ہیں۔" ریحی نے لا پرواہی سے خبر دی۔

"ہائے غضب، کہیں وہ پھولی حیرا کی طرف نہ نکل جائیں سیدھے۔" شازیہ بھالی بوکھلا گئیں۔

"ارے سچ مزہ آجائے پھر تو۔" رضوانہ نے تہقیر لگایا۔

"چلیے بھالی وہ قاضی معین الدین تشریف لے آئے ہیں۔ اب جی تابندہ کو وہیں بلا رہے ہیں۔" شاہد نے آکر اطلاع دی۔

"کیا مطلب؟" وہ سب بیک وقت چونکے۔

"آرام سے، آرام سے تسلی رکھو، ابھی مطلب و طلب سب سمجھ میں آجائے گا۔" شازیہ بھالی ہنس دیں۔

"چچا تو یہ سلسلہ ہے ہم بھی چلیں گے۔" رضوانہ نے سب سے پہلے سمجھ داری کا مظاہرہ کیا۔

"جی نہیں۔ بیٹھو چین سے۔ وہاں اب جی کے کئی بلنے والے بھی ہیں۔ اس لیے تمہاری کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ عروسہ ہیں وجاہت کی بڑی بہن امریکہ سے آئی ہوئی ہیں بستر ہے تم ان سے تفصیلی تعارف حاصل کرو، انھو بالی در نہ اب دوسرا قاصد آئے گا۔"

"ارے تو یہ کس حلیے میں لے جا رہی ہیں آپ کم از کم دپٹے تو ڈھنگ کا اوڑھادیں۔" شبنو، شازیہ بھالی کے وارڈ روبا میں گھسی بھر پور جدوجہد میں مصروف تھیں۔

"دیکھا، صرف ایک ہی لڑکی ہے تمہارے درمیان، جس کا ابر جیمبر، تمہاری طرح خالی نہیں ہے اور بروقت کام کرتا ہے۔" شازیہ بھالی زور سے ہنسیں۔

"واہ کیا در تیا اب ہاتھ لگا ہے زبردست!" اس نے گولڈن کٹر کا بتاری لنگا جیسی کام کا دپٹہ تابندہ کے سامنے لہرایا۔

"باغ خراب ہوا ہے؟ میں اس طرح جو کر بن کر جاؤں گی وہاں۔" تابندہ بے طرح جھینپ گئی۔

بے یقینی کے عالم میں اپنے تئیا کی شکل دیکھ رہے تھے۔
 ”جیسے! بات اصل میں یہ ہے کہ بعض اوقات ہم
 اپنی انا کو اپنی مجبوری بنا لیتے ہیں۔ یہ سوچے بغیر کہ
 نتیجہ کیا ہو گا اور پھر تمام عمر چھتاؤں کا شکار رہتے
 ہیں۔ یہ جو ایک غلط فیصلہ اتنی بہت سی زندگیوں پر اثر
 انداز ہوا۔ شخص اسی وجہ سے۔ اور اب نے مزید
 اہمیت دے کر نسلوں تک پھیلا دینا یقیناً ”کوئی عقل
 مندی نہیں ہے۔ میرے خیال میں تم مابندہ کے لیے
 میرا موزوں انتخاب ثابت ہو سکتے ہو۔ تم اس کے اہل
 ہو اور میرا یہ قدم بروقت اور صحیح فیصلے کی صورت میں
 گئے وقت کا کفارہ بن سکتا ہے۔“ بابا جی کا دھیرا پر سکون
 لہجہ وجاہت کی حیرتوں میں مزید اضافے کا سبب بن
 رہا تھا۔

”میاں! پہلے رنج کی وجہ سے بدحواس ہوئے تھے۔
 اب کہیں خوشی کے مارے ہو اس نہ کھو بیٹھنا۔“ ڈاکٹر
 حمید رحمان نے گھبرا کر ان کا شانہ جھنجھوڑ دیا۔ ان کے
 انداز بردہاں موجود تقریباً ”سب ہی چروں پر مسکراہٹ
 کوند گئی۔“

”نہیں! میں ٹھیک ہوں۔“ وہ جیسے چونک کر سچ سچ
 حواس کی دنیا میں آگئے۔ حسب سابق ان کے چہرے
 پر پھیلتی سرخی ان کے جذباتی تغیر کی گواہ تھی۔
 ”پھر رضا مند ہو؟“ حسن رضا صاحب نے واضح
 تصدیق چاہی۔

”جی!“ اس اقرار میں سکون تھا۔ طمانیت اور
 آسودگی بھی۔

”چلئے صاحب! بسم اللہ کیجئے۔“
 ”کب قاضی صاحب آکر بیٹھے کب اس ساری
 کارروائی کا آغاز ہوا۔ کب خطبہ پڑھا گیا۔ ایجاب و
 قبول ہوا۔“

نکاح نامے پر دستخط کیے۔ سب کچھ انہیں خواب
 کی مانند محسوس ہو رہا تھا۔ سجاد کا اور ریڈی ہمیشہ تیار
 حکم کا کیمرہ ہر ہر مرحلے کے سارے عکس محفوظ کر کے
 ان تمام نقوش کو دوام بخش رہا۔

”چلیے بابا جی! تشریف لے چلیں آپ سب لائق
 صاحب نے بھرپور تواضع کے انتظامات کر لیے ہیں باہر

لان میں اور اب داد کے خنجر ہیں۔“ شجاع بھائی کی
 اس دعوت پر، مبارک سلامت کے مراحل سے
 گزرتے ہوئے تمام لوگ بدستور اسی گرجاؤں اور
 مسرتوں کا اظہار کرتے پابھر چلے گئے۔

”اچھا بھئی۔ اب تم دونوں اپنا اپنا حال دل سناؤ۔
 میں ذرا مہمانوں اور مہمانداری کی خبر لوں جا کر۔“
 شازیہ بھالی بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

”بھالی پلیز۔۔۔“ مابندہ نے اٹھنا چاہا۔
 ”خبردار۔ اگر تم اس وقت یہاں سے ملیں بھی۔ تو
 سمجھ لو جو تمہاری گت بنے گی۔ سب انتظار میں
 بیٹھی ہوئی ہیں۔“ بھالی نے فس کر دھمکی دی۔

”یہیں بیٹھی رہو۔ آرام سے اپنے پاؤں گاڑو
 صاحب کی حفاظت میں۔ کم از کم کوئی تحفظ کرنے والا
 تو ہو گا۔“ انہوں نے دروازے میں رک کر شرارت
 بھری جگمگاتی نظروں سے وجاہت کی طرف دیکھا۔

”اور آپ جناب سے تو ابھی پورا پورا حساب
 کتاب لیا جائے گا پچھلی تمام حرکتوں کا۔ ستر ہے ادھر
 سے معاملہ پہلے ہی برابر کر لو۔“

”ادھر کے معاملے کی آپ قطعی فکر نہ کریں۔
 سنا نہیں ہے آپ نے؟“

جذب دل سلامت ہے تو پھر کیا غم
 کچے دھاگے سے چلے آئے ہیں سرکار بندھے!

وہ کچھ شرارت کے ساتھ بھرپور طمانیت سے
 مسکرائے۔ یوں اپنی مرضی کی شکل دے کر شعر بڑھنے
 پر مابندہ کے چہرے پر بھی بے اختیار مسکراہٹ چمکی
 تھی۔ اور شازیہ بھالی تو کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

انہوں نے نظر بھر کر دیکھا۔ یہ درخشاں چہرہ جسے
 پانے کی تمنا کی تھی۔ کس طرح غیر متوقع طور پر انہیں
 حاصل ہو گیا تھا۔

وہ جوان کے نزدیک متاع غیر ٹھہرا دی گئی تھی۔
 کس قدر آسانی سے ان کے نام لکھ دی گئی۔ انہیں خود
 اپنے جذبوں پر اعتبار آیا تھا اس وقت۔ وہ ہمیشہ بے
 حد خود اعتماد اور بولڈ نظر آنے والی لڑکی، کچھ گھبرائی
 گھبرائی، شرمائی ہوئی سی، سمٹی سمٹائی کتنی دلچسپ نظر

مہابت ہوا تھا۔ جس نے ان پر زندگی اور خوشیوں کے تمام دروازے کھول دیئے۔
 "لاؤ یار! ہم ہی کچھ گا بجالیں۔ ایسی روکھی پھکی سوکھی سڑی بے رونق شادی تو کورٹ میرج کرنے والوں کی بھی نہیں ہوتی۔ ان لڑکیوں کو تو غیرت آئے گی نہیں۔" سجاد نے لڑکیوں کے جذبات کو لاکار۔ پھر سب نے مل کر شادی بیاہ کے گیتوں کی پیروی شروع کر دی۔

گھوڑی کے سر پر چڑھ کے
 ٹھیلے پر تریوز بکس گے
 تم ملے پیار ملا رہے
 عارف غضب کی آگ دے رہے تھے
 بن کے دلہن لہراؤں گی
 میں تو دولہا کو انگلیوں پہ نچاؤں گی
 شنو رضوانہ، رخشندہ نے تان اڑائی۔ اور قل قل کرتی ہنسی ہر طرف بکھرنے لگی۔ سرتم قہقہے بن کر برس رہی تھیں۔

وجاہت نے بڑی بے شاشی سے ہنستے گاتے شور مچاتے ان تمام لوگوں کو دکھا۔ ان ہی قربتوں کی تمنا تو تھی! نہیں۔ یہ خلوص یہ چاہتیں۔ اب ان کے لیے بھی تھیں۔ ان کی زندگی کا حصہ تھیں، نظریں ایک بار پھر تابندہ کے شاداب چہرے پر جا ٹھہریں۔ دھنک کے سارے رنگ اس کے شرمیلیں چہرے پر اتر آئے تھے۔ اور یہی قوس قزح اب ان کی زندگی تھی۔



آ رہی تھی۔ ان کی آنکھوں میں جذلوں کا ایک جہان سمٹ آیا۔ سمندر سا ٹٹا نہیں مارنے لگا تھا۔ اور تابندہ ان کی نظروں میں لودیتے ان جذلوں کی تپش سے گھبرا رہی تھی۔

"مال! میں کیسے یقین کر لوں کہ یہ سب خواب نہیں حقیقت ہے؟ ابھی جو کچھ ہوا یہ میرے تصور کی تصویریں نہیں تھیں۔ حقائق کے امر کئے ہیں؟ تم میری ہو۔ میری ہو چکی ہو؟" خوب صورت مدھر آواز کی یہ بھاری گیمبر سرکوشی اس کے رگ دے میں خوب صورت جھینکار بن کر اتری۔ اندر جیسے پتھر جھڑیاں سی چھوٹنے لگی تھیں۔ کرنیں سی پھوٹ رہی تھیں۔ ان کی طرف دیکھنے، ان سے نظر ملانے کا حوصلہ بھی نہ رہا۔

"چلو بھائی۔ یہ مرحلہ بھی بخیر و خوبی طے ہوا۔ مبارک ہو وجاہت علی رضا۔"

"پابندہ، تابندہ باد، شاد باد منزل مراد!"
 اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہہ سنا پاتے۔ ان سب نے کمرے پر دھاوا بول دیا۔

"واہ بھئی کتنی نے انتظار ہی نہیں کیا۔ ساری کارروائی ختم بھی ہو گئی۔ بھلا بغیر چھوہاروں کے بھی کسی کا نکاح ہوا ہے آج تک؟" عارف نے شکوہ کیا۔
 "واہ میاں۔ اسے کہتے ہیں۔ ہنگ لگی نہ پھنگری رنگ آیا جو کھا۔ خوب چھپے رستم نکلے تم تو بالائی بالا سب کچھ نمٹالیا۔ یار لوگوں کو بھنگ بھی نہیں ملی۔" رضا نے ان کے دھپ جمائی۔

"لو بھائی تم چھوہارے کھاؤ تم بھی کیا یاد کرو گے سارا شر و حوند کر حاصل کئے ہیں۔ کس نے کہا تھا تم سے ایمر جنسی میں نکاح پڑھو آؤ اور وہ بھی چھٹی والے دن۔" شیراز نے اکٹھے لا چھوہارے ان کے منہ میں ٹھونس دیئے۔

"واہ صاحب۔ تابندہ باد کیا ٹھیک در پر دستک دی آپ نے بھی۔ آگ لینے گئے اور پیغمبری مل گئی۔" افتخار نے قہقہہ لگایا۔

یہ آخری در توجہ مع ان کے لیے ساتواں در ہی